

قرآن مجید در حکم نبی کریم کی روشنی میں

# جدید طہ مسائل کا شعبہ حل

مُؤْلِف

ڈاکٹر صاحبزادہ ابو الحسن محمد پونڈری

رئیسِ مکتبہ اسلام و تبلیغ

آزاد میان، ہیر آباد، حیدر آباد، بندوق پاکستان

قرآن حکیم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں

# جدیدی حل مسائل کا شعبہ حل

مُؤْلِفٌ

ڈاکٹر صاحبزادہ ابو الحسن شمس الدین سعید

دینِ مسیح اسلامی پیغمبر کی دینشانہ،

آزاد مسیدان، ہیر و آباد، حسید ر آباد، سندھ (پاکستان)

## جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب ----- جدید طبی مسائل کا شرعی حل

مؤلف ----- ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر الازھری

اشاعت دوم ----- جنوری 2003ء

تعداد ----- گیارہ سو

زیر اهتمام ----- ایم احسان الحق صدیقی

ناشر ----- رکن الاسلام پبلیکیشنز حیدر آباد

----- قیمت

## واحد تقسیم کار

## مکث شیخہ جمال کرم

— ۹۔ مرکز الادیں (ستہ ہڑیں) دبابر مارکیٹ۔ لاہور

فون: ۳۲۳۹۳۸

## انتساب

ملک المدرسین، فخر المناطقہ، فقیہ العصر، جامع معقول و منقول، واقف فروع  
واصول، عالم نبیل، فاضل جلیل استاذی واستاذ الاسمات ذہ حضرت علامہ مولانا حافظ عطا  
محمد صاحب بندیالوی چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ  
کے نام

جن کے چشمہ علم و حکمت نے جہاں سینکڑوں نامور علماء، فقہاء، خطباء، مناظرین،  
محمد شیخ اور مدرسین کو فیضیاب کر کے علم و عرفان کا ایک گلشن آباد کر دیا وہاں اس ذرہ  
بے مقدار کو بھی اپنے بے پایاں کرم سے نوازتے ہوئے اس کے قلب و جگر کو بھی شعور و  
آگہی کی خوشبوؤں سے مہکا دیا۔

ابوالحسن محمد زبیر

(4)

## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
8	ابتدائیہ	1
11	اعضاء کی پیوند کاری کی صورتیں	2
11	مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری	3
11	دلیل	4
13	پلاسٹک سرجری	5
15	دلیل	6
18	جانوروں کے اعضاء کی پیوند کاری	7
19	دلیل	8
22	انسانی اعضاء کی پیوند کاری	9
22	شرط و قیودات	10
24	دلیل اول	11
26	دلیل ثانی	12
28	دلیل ثالث	13
29	دلیل رابع	14
29	مانعین کے اعتراضات	15
29	اعتراض اول	16
30	جواب	17
31	اعتراض ثانی	18

31	جواب	19
32	اعتراض ثالث	20
33	جواب	21
34	مسئلہ کی اہمیت	22
38	قرآن کی روشنی میں	23
38	حدیث کی روشنی میں	24
49	ماعین کے دلائل کے جوابات	25
49	دلیل اول	26
50	جواب	27
51	دلیل ثانی	28
53	جواب اول	29
55	جواب ثانی	30
61	جواب ثالث	31
62	دلیل ثالث	32
63	جواب	33
63	مثال	34
65	دلیل رابع	35
66	جواب	36
69	دلیل خامس	37
69	جواب	38

## (6)

71	دلیل سادس	39
71	جواب	40
73	دلیل سابع	41
74	جواب	42
74	دلیل ثامن	43
75	جواب پہنچ	44
75	انتقال خون	45
76	دلائل	46
78	شوہر کا خون بیوی کو دینا	47
79	مانعین کی دلیل	48
79	جواب	49
80	پوسٹ مارٹم	50
80	وجہ اولیٰ	51
81	وجہ ثانیہ	52
81	وجہ ثالثہ	53
81	دلائل	54
82	مانعین کی رائے	55
82	جوابات	56
85	روزے میں انجکشن	57
85	دلیل اول	58

(7)

87	دلیل ثانی	59
87	دلیل سادس	60
88	دلیل رابع	61
98	دلیل خامس	62
91	اکھل والی دوائیں	63

## ابتدائیہ

میرے استاد محترم حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ عابد و عارف بھی ہیں، سلف صالحین کا ایک بہترین نمونہ ہیں اور میرے والدگرامی اور مرشد نامی قطب وقت مفتی اعظم حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قائم کردہ سندھ کی عظیم دینی درسگاہ رکن الاسلام جامعہ مجددیہ کے بانی اراکین میں سے ہیں۔ ان کی طبیعت ناساز ہو گئی، پاکستان بلکہ ایشیا کے نامور سرجن ڈاکٹر ادیب رضوی نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے بے کار ہو گئے ہیں۔ اگر کسی کا گردہ لگا دیا جائے تو ان کی جان بچ سکتی ہے لیکن کسی کا گردہ کیسے لگایا جائے.....؟ علماء تو اس کو ناجائز بتاتے ہیں، فقیر کے کتب خانہ میں اس موضوع پر چند علماء کی کتب تھیں۔ فوراً ان کو دیکھا بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر تفصیلی مضمون پڑھا اور ان دونوں حضرات نے اس کے ناجائز ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے اس کو دیکھ کر پڑا افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی ہوا کہ اسلام میں جس انسانی جان کی حرمت و عزت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے ان علماء کی نظر میں یہ بے وقت ہے بھم پر چونکہ بیت رہی تھی اس لئے انسانی جان کی قدر و قیمت کا ہمیں زیادہ احساس ہوا اور وہ بھی ایک عالم و عارف کی جان جس کی زندگی سے ہزار ہا مردہ دلوں کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ ان کی بیماری نے اس علاج کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیا جب اس موضوع پر غور و خوض کرنا شروع کیا تو بہت سی آیات، احادیث اور فقہاء کے اقوال سامنے آئے جنہوں نے اس علاج کے جواز کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ ان

دلائل کو اور مانعین کے دلائل کے جوابات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے اس کو کتابی شکل  
دے دی تاکہ ڈاکٹر حضرات اس طرف سے مطمئن ہو کہ مخلوق خدا کی خدمت میں ہمہ  
تن متوجہ ہو جائیں اور اللہ کے بندوں کی جانیں بچا کر ان کوئی زندگیاں عطا کر کے  
دونوں جہاں میں سرخرو ہوں اور دارین میں رب کی رضا اور خوشنودی سے سرفراز ہوں  
اس میں مزید چند جدید طبی مسائل کا بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں حل پیش کر دیا  
ہے تاکہ عوام کے لئے یہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کا باعث بن سکے۔

جماعت اہل سنت حیدر آباد کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا قاری عبدالعزیز صاحب  
ان کے رفقاء اور حاجی منصور الہی صاحب اور حاجی صبور احمد صاحب لاٽق تھیں اور  
قابل تبریک ہیں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون فرمائے..... آمین  
یا رب العالمین !

میری اس حقیری کوشش کو اپنی اور اپنے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں شرف قبولیت  
عطافرم۔

یا ارحم الراحمین !

میری اس حقیری کوشش کے سبب تیرے جن جن بندوں کی مشکلیں آسان ہوں اور  
جن جن کوئی نئی زندگیاں ملیں ان کے صدقہ میری قبر اور حشر کی مشکلیں آسان کر دے  
اور مجھے حیات ابدی سے سرفرازی عطا کر دئے۔

یا اکرم الاکرمین !

میری اس ادنیٰ سی کاوش کے سبب تیرے جن جن بندوں کو آنکھیں مل جائیں جن  
کی تاریک دنیا روشن ہو جائے اس کے صدقہ عصیان کی ظلمتوں اور گناہوں کی

(10)

تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے میرے دل کو اپنی عفو و مغفرت اور لطف و رحمت کے نور سے روشن فرمادے۔

یا غیاث المستغثین!

حضرت علامہ قاری عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو شفائے کاملہ اور صحبت عاجله سے سرفراز فرمائے ان کے علمی اور روحانی فیض سے اپنے بندوں کو تادریج مستفیض ہوتے رہنے کا موقعہ عطا فرمادے۔

ابوالخیر محمد زبیر

سجاد شیخ، آستانہ عالیہ رکنویہ محمودیہ  
مفتي و شيخ الحدیث، رکن الاسلام جامعہ مجددیہ

آزاد میدان ہیر آباد حیدر آباد

تاریخ 27 رمضان المبارک 1416ھ 17 فروری 1996ء بروز ہفتہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم  
اعضاء کی پیوند کاری کی تین صورتیں ہیں.....

- 1- مصنوعی اعضاء۔۔۔ یعنی کسی بھی دھات یا لکڑی اور پلاسٹک یا کسی بھی مصالحے کے مصنوعی اعضاء بنایا کر انسانی جسم میں لگادینا۔
- 2- جانوروں کے اعضاء۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت کے وقت انسانی جسم میں لگادیئے جائیں۔
- 3- انسانی اعضاء۔۔۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مردہ یا زندہ آدمی کے اعضاء کسی دوسرے آدمی میں لگادیئے جائیں۔ تینوں صورتوں کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کی جاتی ہے۔

### مصنوعی اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی پہلی صورت تو یہ ہے کہ کسی معذور اور بیمار کو جس عضو کی ضرورت اور حاجت ہو وہ عضو کسی سونے چاندی پیشیل الغرض کسی بھی دھات یا کسی مالے مثلاً پلاسٹک اور لکڑی وغیرہ کا بنایا کر لگایا جا سکتا ہے، یہ صورت متفہمین اور متاخرین علماء اور فقہاء کے نزد یک بالاتفاق جائز ہے۔

### دلیل

دلیل یہ حدیث مبارک ہے .....

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرْفَةَ أَنَّ جَدَهُ عَرْفَجَهُ بْنَ

أَسْعَدٍ قَطَعَ أَنْفَهُ يَوْمَ الْكَلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفَامَ

ورق فانشن علیہ فامرہ النبی ﷺ ان یتخد

انفامن ذهب۔

(جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن طرفہ کہتے ہیں کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی جنگ کلاب میں ناک کر گئی۔ انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوای۔ اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہو گیا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت یعنی جب کسی کا کوئی عضوضائع یا بے کار ہو گیا ہو تو اس کی جگہ پر مصنوعی اعضاء لگانا جائز ہے حتیٰ کہ حدیث کی رو سے ضرورت کے وقت سونے چاندی کے اعضاء لگانے کی بھی اجازت ثابت ہو گئی، چنانچہ اس حدیث کے تحت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں .....

وقد روی من غير واحد من أهل العلم انهم شذدوا

اسنانهم بالذهب و في هذا الحديث حجة لهم

ترجمہ: متعدد اہل علم سے مردی ہے کہ انہوں نے اپنے دانتوں کو سونے کے ساتھ باندھا اور اس حدیث میں ان کے لئے ولیل ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں .....  
وبه اباح العلماً اتخاذ الانف ذهباً و كذا ربط الاسنان

بالذهب -

ترجمہ: اسی حدیث کی بناء پر علماء نے سونے کی ناک بننا کر لگوانے اور

سونے کے ساتھ دانتوں کو باندھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

### پلاسٹک سرجری

آج کل ظاہری اعضاء بالخصوص چہرے کی پلاسٹک سرجری کا طریقہ بھی رائج ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے موجودہ دور کے علماء کا اختلاف ہے، مفتی محمد صدیق ہزاروی صاحب زید مجدد کی رائے گرامی یہ ہے کہ .....

کسی شخص کے چہرہ پر کوئی دھبے یا داغ وغیرہ ہوں اور چہرہ بالکل بگز نہیں گیا ہو تو محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہ ہو گی البتہ اگر الیکی صورت پیدا ہو جائے کہ کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے اس کی شکل و چہرے میں بہت زیادہ بگاز پیدا ہو جائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے نہ جاسکتا ہو یا لوگوں نے اس وجہ سے اس سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہو تو ایسے شخص کو ایک اچھی صورت میں زندگی گزارنے اور لوگوں کے درمیان بلا تکلف آنے جانے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(ماہنامہ السعید، شمارہ ستمبر 1995ء، مضمون پوسٹ مارٹم اور پلاسٹک سرجری کی شرعی حیثیت)

شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی صاحب زید مجدد کی اس بارے میں رائے گرامی اس کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں.....

اول تو بلا ضرورت کی قید بیکار ہے کیوں کہ کوئی شخص بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جیسا مہنگا علاج نہیں کراتا ضرورت کے وقت ہی کرتا ہے۔ ثانیاً محض زیب وزینت کی بناء پر پلاسٹک سرجری کو

شیطانی عمل قرار دینا بھی عجیب و غریب اور عقل شکن جملہ ہے، جائز زیب وزینت کو آپ نے کس دلیل شرعی سے ناجائز قرار دیا.....؟ جب کہ فقہائے کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ مستورات کو اپنے خاوند کو خوش رکھنے کے لئے بناؤ سنگھار کرنا اور زیب وزینت کو اختیار کرنا کارت ثواب ہے، بناء بریں زیب و زینت ہی کے لیے اپنے خاوند کو خوش کرنے کی نیت سے چہرہ کے بد نما داغوں، دھبوں اور مسوں کو ختم کرنے لئے پلاسٹک سرجری کرانا شیطانی عمل اور موجب لعنت ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ کارت ثواب اور مستحب قرار پائے گا۔

(ماہنامہ رضوان)

دونوں علماء کی رائے آپ کے سامنے آ گئیں۔ اس سلسلہ میں احقر علامہ سید محمود احمد رضوی زید مجدد کی رائے گرامی سے اس حد تک متفق ہے اور ان کی تائید کرتا ہے کہ داغ دھبے میں مہا سے یا چیچک وغیرہ کے ذریعہ جو چہرہ پر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس کا دور کرنا بھی ضرورت شرعیہ اور حاجت شرعیہ کے تحت آئے گا اس کے لئے بھی پلاسٹک سرجری جائز ہو گی جس طرح کسی کا بالکل کوئی عضونہ رہے یا کسی حادثہ کی وجہ سے بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو جائے اس وقت پلاسٹک سرجری جائز ہوتی ہے اسی طرح ان صورتوں میں بھی پلاسٹک سرجری جائز ہو گی۔

لیکن فقیر حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدد کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ ” بلا ضرورت“ کی قید ہی بے کار ہے کیونکہ آج کل فیشن ایبل گھرانوں اور دولت منڈ خاندانوں کی بوڑھی خواتین بغیر کسی بیماری کے بلا ضرورت صرف اپنے

بڑھاپے کو چھپانے کے لئے اور سائٹھ سال کی عمر میں پھر سے پندرہ سالہ دو شیزہ نظر آنے کے لئے بھی پلاسٹک سرجری کراہی ہیں جو بداحتا بلا ضرورت کے تحت آئے گا اور یقیناً ناجائز ہو گا خواہ وہ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے کریں یا اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے ایسا کریں۔ بہر حال یہ قرآن و حدیث کی منشاء کے خلاف ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔

فقیر کی اس رائے کی تائید اردن کے ایک بہت بڑے عالم اور مفتی شیخ محمد سعید صاحب کے اس فتوے سے ہوتی ہے جو حال ہی میں پاکستانی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ انہوں نے محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(جتنگ کراچی جنوری 1996ء)

**دلیل:** اس سلسلہ میں ہماری دلیل وہی مندرجہ بالا حدیث عرفیہ ہے جس میں حضور ﷺ نے اپنے صحابی کو ان کی ناک کٹ کر جانے پر سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی حالانکہ بغیر ناک کے بھی اچھا کام چل رہا تھا۔ ان کو سانس لینے میں کوئی پریشانی یا تکالیف نہیں تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ چہرہ بدنما لگ رہا تھا اس لئے حضور ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگانے کا حکم فرمایا۔ جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر وہ چیز جو چہرہ کی بدنمائی کا باعث بنے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے چہرہ کا بگاڑ ہو یادا نے پھنسی مہا سے کسی قسم کے دھبے وغیرہ یا کسی بھی بیماری کی وجہ سے چہرہ میں کوئی بدنمائی اور بگاڑ پیدا ہو گیا ہو تو اس کے دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہو گی۔ محض حسن اور زیبائش کے لئے ”بلا ضرورت“ پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہو گی اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے .....

”وَلَا مِنْهُمْ فَلِيَغْرِنَ خَلْقَ اللَّهِ“ (سورہ نساء آیت نمبر 119)

(16)

ترجمہ:- اور ضرور انہیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدل دیں۔

یہ شیطان کا قول ہے جو قرآن میں نقل کیا گیا کہ وہ لوگوں کو ان کی بنائی صورتیں بد لئے کا حکم دے گا، اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ اسماعیل ابن کثیر نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کو بخاری و مسلم اور ترمذی نے بھی چند الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ حدیث مبارک یہ ہے.....

لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله عزوجل (تفسیر ابن کثیر جلد ۱، ص ۸۸۰)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی گوئے والی اور گدوائے والی عورتوں پر اور حسن وزیبائش کے لئے (دانتوں کے درمیان) کشادگی پیدا کرنے والی، اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کرنے والی عورتوں پر۔

آیہ مبارکہ کی تفسیر میں اس حدیث مبارک کے لانے اور اس حدیث مبارک میں "للحسن" کی قید کے اضافہ سے دو باتیں ثابت ہو گئیں۔

اول پہلی یہ کہ تغیر خلق مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ وہ تغیر خلق ممنوع ہے اور شیطانی فعل ہے جو بلا ضرورت مخصوص للحسن ہو یعنی صرف آرائش وزیبائش اور فیشن کے لئے ہو اور وہ تغیر خلق جو بلا ضرورت نہ ہو بلکہ کسی حاجت اور ضرورت کے تحت ہو وہ ممنوع نہیں جیسا کہ حدیث عرفجہ میں سونے کی ناک لگا کر "تغیر خلق" کی اجازت دے دی گئی۔..... اسی طرح کسی حادثہ یا بیماری وغیرہ کی صورت میں جو چہرہ پر

(17)

داغ دھے پیدا ہو جائیں جو چہرہ کی بدنمائی کا باعث ہوں وہاں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ تغیر خلق جائز ہو گا جب کہ بڑھاپے کو چھپانے کے لئے اور نوجوان نظر آنے کے لئے محض فیشن اور حسن کی خاطر بلا ضرورت پلاسٹک سرجری جائز نہیں ہو گی۔

ثانی

اور دوسری بات یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گئی کہ زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کی بھی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور جائز دوسری مذموم اور ناجائز، وہ زیب وزینت اور آرائش و جمال جس میں تغیر خلق نہ ہو وہ شریعت میں محمود، پسندیدہ اور جائز ہے جیسے کہ مہندی، تیل، کنگھی اور مختلف قسم کے صابن، لوشن، کریمیں اور ہر قسم کے عطریات وغیرہ یہ سب جائز ہیں اور یہی زیب وزینت ہے جو بیوی کو اپنے شوہر کی رضا و خوشنودی کے لئے کرنا کا رثواب ہے۔ اسی کے لئے ارشاد رب العزت ہے.....

”قَالَ مِنْ حَرَمٍ زَيْنَةُ اللَّهِ الَّتِي أَنْجَرَ لِعْبَادَهُ۔“

(سورہ اعراف آیت نمبر ۳۲)

ترجمہ:- آپ فرمادیجئے کہ کون ہے وہ جس نے اللہ کی زینت کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے۔  
اور اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے.....

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ -

(صحیح مسلم، کتاب الایمان ص ۱۳۷)

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔

اور وہ زیب وزینت اور آرائش و جمال جس میں ”تغیر خلق“ پایا جائے وہ ناجائز و مذموم اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، مندرجہ بالا حدیث

اس پر شاہد ہے بالخصوص ”والمتفلجات للحسن“ یعنی حسن کی خاطر دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر لعنت فرمائیہ بتا دیا کہ صرف حسن کے لئے چہرہ میں اتنا سماں تغیر بھی شریعت کو گوارا نہیں اور رب کو پسند نہیں کہ جب دانت صحیح ہوں تو بلا ضرورت ان دانتوں کے درمیان کشیدگی پیدا کر لی جائے لہذا جہاں اس سے بڑا تغیر و تبدل ہو گا جیسا کہ آجکل پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرہ کی ساری ساخت بدل دی جاتی ہے بھلا دہ شریعت میں کب روا اور جائز ہو سکتا ہے۔ ہاں ضرورت کے تحت اس کی اجازت حدیث عرفیہ سے ہم ثابت کرائے ہیں۔

زیب و زینت اور آرائش و جمال کی مدح میں ہم نے ابھی جو آیت و حدیث نقل کی ہے اس سے اور بیوی کو اپنے شوہر کے لئے زیب و زینت کرنا مستحب ہے۔ اس فقہی جزئیہ سے حضرت علامہ محمود احمد رضوی صاحب زید مجدد نے ہر قسم کی زیب و زینت کو جائز بلکہ مستحب قرار دیدیا ہے حالانکہ ہم نے ابھی قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا کہ بعض حسن و جمال اور زیب زینت مذموم اور رب کے نزدیک ناپسندیدہ بھی ہیں۔ وہ ہرگز ان آیات اور احادیث کے تحت داخل نہیں جن میں حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہے۔ اگر محمود اور مذموم دونوں قسم کی زینتوں میں فرق نہ کیا گیا تو آیات اور احادیث میں تعارض واقع ہو جائے گا اور ان کے درمیان تطبیق مشکل ہو جائے گی۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت پلاسٹک سرجری جائز ہے جب کہ بلا ضرورت محض زیب و زینت اور آرائش کے لئے پلاسٹک سرجری کر کے تغیر خلق کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

### جانوروں کے اعضاء

اعضاء کی پیوند کاری کی دوسری صورت یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء ضرورت مند

انسانوں کو لگا دیئے جائیں اس میں متقد میں اور متاخرین فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے کہ ”حلال اور مذبوح“ (شرعی طور پر ذبح شدہ) جانوروں کے اعضاء سے انسانی جسم میں پیوند کاری کی جاسکتی ہے اور یہ جائز ہے جب کہ ہڈی، کھر، سینگ، بال اور دباغت کے بعد کھال یہ سب چیزیں سوائے خنزیر کے ہر جانور کی پاک ہوتی ہیں لہذا خواہ جانور حلال ہو یا حرام مذبوح ہو یا مردار (جب کہ مردار کی اس پر کوئی رطوبت نہ ہو) ان چیزوں سے انسانی علاج اور ان کی انسانی جسم میں پیوند کاری بھی قطعاً جائز ہے۔

### دلیل

اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے .....

وَالْأَنْعَامُ خَلْقُهَا لَكُمْ فِيهَا دَفَءٌ وَّ مَنَافِعٌ وَّ مِنْهَا تَأْكُونُ  
(سورہ نحل آیت نمبر ۲)

ترجمہ:- اور اس نے چوپا یوں کو بھی پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ان حلال جانوروں سے اعضاء کی پیوند کاری جیسے دیگر فوائد بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے نفع اور فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے، فقه حنفی کی معتبر کتاب در مختار میں ہے.....

وَشَعْرُ الْمُمِيَّةِ غَيْرُ الْخَنْزِيرِ عَلَى الْمَذْهَبِ وَعَضْمُهَا  
وَعَصْبَهَا عَلَى الْمَشْهُورِ وَ حَافِرَهَا وَ قَرْنَهَا الْخَالِيَّهُ عَنِ  
الدَّسْوِمَةِ طَاهِرٌ -

ترجمہ:- اور مردار کے بال سوائے خنزیر کے امام اعظم رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ کے مذہب پر اور اس کی ہڈی اور اس کے پٹھے مشہور روایت کے مطابق اور اس کے کھر اور اس کے سینگ جو چکنا ہے اور چربی سے خالی ہوں وہ پاک ہیں۔

اسی عبارت کے تحت علامہ ابن عابدین اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں.....

لما مر من حديث الصحيحين من قوله عليه السلام في  
شاة ميمونة انما حرم أكلها و في رواية لحمها فدل على  
ان ما عد اللحم لا يحرم فدخلت الاجزاء المذكورة و  
فيها احاديث اخر صريحة في البحر وغيره۔

ترجمہ:- اس کی دلیل وہ حدیث جو صحیحین (بخاری و مسلم) میں  
حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ کی  
بکری کے لیے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے اور ایک روایت  
میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا گوشت حرام ہے۔ اس سے  
ثابت ہوا کہ گوشت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حرام نہیں لہذا  
مذکورہ اجزاء اس میں داخل ہو جائیں گے (اور جائز قرار پائیں  
گے) اس میں بطور دلیل بھرنے اور بھی احادیث ذکر کی ہیں۔

اسی طرح عالمگیری میں ہے.....

قال محمد رحمة الله تعالى عليه ولاباس بالتداوی بالعظم  
اذا كان عظيم شاه او بقرة او بعير او فرس او غيره من الدواب  
الاعظم الخنزير والادمى فانه يكره التداوى بهما۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۲۵)

ترجمہ:- امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جانوروں میں  
نے بکری یا گائے یا اونٹ یا گھوڑے یا دوسرے کسی بھی چوپائے  
کی ہڈی سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں سوائے خنزیر اور  
آدمی کی ہڈی کے کیوں کہ اس سے علاج مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا حکم عام حالات میں ہے جب کہ اضطرار و مجبوری کی صورت میں یعنی  
جب جان بچانے کے لئے کسی حلال اور مذبوح جانور کے اعضاء نہ مل رہے ہوں اور  
کسی حرام یا مردار جانور کے اعضاء لگانے یا اس کے ذریعہ علاج سے مریض کی زندگی  
نقح جانے کا کوئی ماہر حکیم یا ڈاکٹر یقین دلاتا ہو تو ایسی صورت میں حرام یا مردار  
جانوروں کے اعضاء سے بھی علاج اور پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

### دلیل

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی یہ واضح آیت مبارکہ موجود ہے.....

انما حرم عليکم الميتة والدم ولحم الخنزير و ما اهان به  
لغير الله فمن اضطرر غير با غ ولا عاد فلا اثم عليه۔

(سورہ بقرۃ آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ:- اس کے سوائے کچھ نہیں کہ اللہ نے تم پر حرام کیا مردار اور  
خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا  
نام پکارا گیا ہو تو جو لا چار اور مجبور ہو جائے (لیکن) نہ (اپنی)  
خواہش سے کھائے اور ضرورت سے آگے بڑھئے تو اس پر گناہ  
نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں حالت اضطرار کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا.....

ویجوز للعلیا شرب الدم والبول و اکل المیتته للتدا  
ویی اذا الخیره ضبیب ان شفاء ه فیه و لم یجده فی  
المباح ما یقوم مقامه۔

(فتاوی عالمگیری جلد ۵ ص ۳۵۵)

ترجمہ:- اور بیمار کے لئے خون اور پیشتاب اور مردار کا بطور  
دوا کھانا جائز ہے جب کہ معانج یہ بتائے کہ اس مریض کی  
شفاء اسی میں ہے اور اس وقت کوئی مباح چیز اس کے قائم  
مقام نہ مل رہی ہو۔

معلوم ہوا کہ اضطرار اور مجبوری کے وقت مندرجہ بالا شرائط کے تحت مجبور اور لا چار  
آدمی کے لئے حرام چیز سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے لہذا اس اضطرار کی صورت  
میں خنزیر اور دیگر حرام جانوروں اور مردار کے اعضاء سے علاج اور انسانی جسم میں ان  
کی پیوند کاری جائز ہو جائے گی۔

### انسانی اعضاء

پیوند کاری کی تیری صورت یہ ہے کہ کسی زندہ یا مردہ انسان کا کوئی عضو لے کر کسی دوسرے  
شخص کے جسم میں لگادیا جائے۔ قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں یہ تیری صورت  
بھی مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے اور شریعت اسلامیہ میں چند قیودات کے ساتھ اس کی  
اجازت دی گئی ہے۔ ان چند شرائط اور قیودات کی تفصیل یہ ہے.....

1- شدید ضرورت اور حاجت ہو یعنی کسی مریض کے لئے اس کے ماحر معانج کی یہ  
رائے ہو کہ اگر فلاں انسانی عضو اس کو لگادیا جائے تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کی جان  
نج سکتی ہے یا اس کو اس مرض سے نجات اور شفاء مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی

جان بچنے یا اس کی شفاء کا کوئی اور راستہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی جان بچانے کی خاطر یا اس کی شفاء کی خاطر کسی آدمی کا عضو لے کے اس کو لگانا جائز ہوگا۔

2- اعضاء دینے والے کے لئے ماہر معانج کا یہ کہنا ہو کہ اس عضو کے دینے سے نہ یہ ہلاک ہوگا اور نہ اس کو کوئی شدید نقصان ہوگا، جیسے آجھل ڈاکٹر حضرات تمام ٹیکٹ مکمل کرنے کے بعد یہ رائے دیتے ہیں کہ اس شخص نے اگر اپنا ایک گردہ دے دیا تو نہ اس کی جان کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی اس کو کوئی ضرر شدید لاحق ہوگا بلکہ اس کی صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا تو ایسی صورت میں اس کا گردہ لینا جائز ہوگا اور اگر اس میں اس کی جان کی ہلاکت ہو یا ضرر شدید ہو جیسے کوئی شخص دل یا اپنے دونوں گردے یا اپنی آنکھ یا ہاتھ پیر وغیرہ اپنی زندگی میں عطا یہ کر دے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہو گا کیوں کہ ان صورتوں میں یا تو اس کی جان کی ہلاکت ہے یا ضرر شدید جب کہ یہ دونوں منع ہیں۔ ہال البتہ ان اعضاء کے لئے وصیت کر سکتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے یہ اعضاء لے لئے جائیں تو یہ صورت جائز ہوگی کیوں کہ موت کے بعد ہلاکت اور ضرر شدید دونوں چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جائے گی۔

3- عضو دینے والا شخص اپنی رضا اور خوشنودی سے اپنی زندگی میں اپنا کوئی عضو دے یا مرنے کے بعد یہ عضو لینے کی وصیت کر جائے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تمام جائز ورثاء بھی اس عضو کے دینے پر راضی ہوں تو اس کا عضو لے کر کسی دوسرے انسان کے لگانا جائز ہوگا اور اگر اس کی رضا اور خوش نودی نہیں تو جبراً اس سے اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے جائز تمام ورثاء اس کا عضو دینے پر راضی نہیں ہیں تو اس صورت میں بھی مرنے کے بعد اس کا عضو لینا جائز نہیں ہوگا۔

4- یہ اعضاء کا لین دین رضا کارانہ طور پر ہو، اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔  
ہاں اگر کہیں یہ صورت ممکن نہ ہو کوئی رضا کارانہ طور پر دینے والا موجود نہ ہو اور شدید ضرورت اور حاجت ہو تو اس صورت میں اس کا خریدنا بھی جائز ہو گا۔

### دلیل اول

پہلی دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ ”الضرورات تبیح المحظورات.“ کہ ضرورت ممنوعہ چیزوں کو جائز کر دیتی ہے اور یہ اصول قرآن کی اس آیت مبارکہ سے مخذول ہے۔

”انما حرم عليکم المیتة والدم ولحم الخنزیر و ما اهل

به لغير الله فمن اضطر غیر باع و لا عاد فلا اثم عليه“

(سورہ بقرۃ آیت ۳۷)

ترجمہ:- اس کے سواء کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، تو جو لا چار و مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ خواہش سے کھائے اور نہ ضرورت سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

معلوم ہوا جب جان جارہی ہو تو ضرورت کے وقت خنزیر کے گوشت اور مردار اور خون جیسی حرام چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں چنانچہ الا شاہ والنظائر میں ہے .....

الضرورات تبیح المحظورات و من ثم جائز اکال المیتة

عند المخصوصة و اساغة اللقبة بالخمر و التلفظ بكلمة

الکفر للاکرہ۔ (ص ۱۱۲)

ترجمہ:- ضرورتیں ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں اسی لئے بھوک کے وقت مردار کا کھانا اور (جب لقمه گلے میں پھنس گیا ہو) اور پانی وغیرہ پکھنہ ہوتا لقمه کا شراب کے ذریعہ حلق سے اتنا اور جبرا کراہ کے وقت کلمہ کفر کھنا جائز ہو گیا۔

اسی طرح گزشتہ اوراق میں ایک حدیث مبارک گزری کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی حالانکہ مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام ہے اور اس وقت کوئی اضطراری حالت بھی نہیں تھی کہ اگر وہ سونے کی ناک نہ لگاتے تو ان کی جان کو کوئی خطرہ ہوتا بلکہ صرف ان کے علاج اور شفاء کے لئے حضور ﷺ نے ان کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ حاجت کی صورت میں بھی یعنی کسی مرض سے نجات اور شفاء حاصل کرنے کے لئے بھی جب اس کے علاوہ اور کوئی صورت شفاء کی ممکن نہ ہو حرام چیز حلال ہو جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا مندرجہ بالا اصول "الضرر رہ تبیح المحظورات" کے تحت جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے.....

فَإِنْ يَرْخُصَ إِذَا عَلِمَ فِيهِ الشَّفَاءُ وَلَمْ يَعْلَمْ دَوَاءً أَخْرَى كَمَا  
رَخُصَ فِي الْخَمْرِ لِمَعْطِشَانٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

(درمختار)

ترجمہ:- کہا گیا ہے کہ جب اس میں شفاء کا گمان غالب ہو (علم بہ معنی ظن غالب) اور کسی دوسری دوائے کا پتہ نہ ہو تو اس صورت میں رخصت دی جائے گی جیسے پیاسے کو شراب پینے کی اجازت دی گئی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور اسی کے تحت شامی میں ہے.....

یجوز ان علم فیہ الشفاء و لم یعلم دواء اخر (شامی)  
 ترجمہ:- (اور حرام سے علاج کرنا) جائز ہوگا اگر یہ گمان غالب  
 ہے کہ شفاء اسی حرام سے علاج میں ہے اور اس کے علاوہ کسی  
 دوسری دواء کا پتہ نہ ہو۔

لہذا یہاں بھی کسی مریض کی جان بچانے یا اس کو کسی تکلیف دہ مرض سے نجات  
 دلانے کے لئے کسی دوسرے کا عضو لیکر اس کے جسم میں اس کی پیوند کاری کرنا "اگر  
 حرام بھی ہو، تو اس ضرورت اور حاجت کے وقت مندرجہ بالا اصول کے تحت مذکورہ بالا  
 آیت شریفہ اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ حلal اور جائز ہو جائے گا اور اس وقت  
 اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔

### دلیل ثانی

دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی اصول ہے کہ .....  
 اذا تعارض مفسدتان روعي اعظمهما ضررا بارتکاب  
 اخفهما -

(الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، ص ۱۱۲)

یعنی جب دو برائیاں آدمی کو درپیش ہوں تو کم برائی کو اختیار کیا  
 جائے گا۔

اس کی مثال دیتے ہوئے محقق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ جیسے کسی کے جسم میں ایسا زخم ہے  
 کہ اگر وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس زخم سے خون رنسنے لگتا ہے اور اگر سجدہ نہیں کرتا تو  
 خون نہیں رستا تو ایسی صورت میں اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بینچ کر نماز پڑھے اور اشارہ

سے سجدہ کرے کیوں کہ یہاں بھی دو برائیاں تھیں ایک نماز کا حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنا اور دوسری برائی تھی سجدہ کا چھوڑ دینا لیکن چونکہ سجدہ کا چھوڑ دینا بغیر وضو نماز کے مقابلہ میں ہلکی برائی ہے اس لئے یہاں ہم نے اس کو اختیار کر لیا اور سجدہ چھوڑ دیا اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیدیا لیکن سجدہ کر کے خون نکلنے کی وجہ سے حدث کی حالت میں یعنی بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی طرح کسی مضطرب کے پاس اپنی جان بچانے کے لئے صرف دو چیزیں ہیں ایک مردار اور دوسرا کسی غیر کامال۔ تو ایسی صورت میں علامہ طحاوی، ابن سماعہ اور کرخی جیسے فقہاء کا مختار قول یہ ہے کہ مردار کھانا بڑی برائی ہے جب کہ کسی دوسرے کامال کھالینا ہلکی برائی ہے لہذا اس کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ہلکی برائی کو اختیار کرے یعنی مال غیر کھا کر جان بچائے لیکن اس وقت بڑی برائی یعنی مردار کھانے کی اس کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

اسی طرح یہاں بھی اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں دو برائیاں ہیں۔ ایک کسی مرضی کی ہلاکت اور اس کی قیمتی جان کا ضیاع جب کہ دوسری برائی ہے کسی آدمی کی حرمت یا میت کی حرمت کی پامالی۔ ظاہر ہے کسی آدمی کی ہلاکت اور اس کی جان کا ضیاع یہ بہت بڑی برائی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں چھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے یعنی حرمت آدمیت کی پامالی اگر بالفرض ہوتی ہے تو اس کو گوارہ کر لیں گے لیکن کسی جان کی ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے۔ جس طرح مردار اور مال غیر میں سے اہون البليه کو اختیار کر کے دوسرے کامال کھا کر جان بچانے کی اجازت دے دی گئی تھی اسی طرح یہاں بھی دوسرے کا عضولیکر جان بچانے کی اجازت دے دی جائے گی یعنی حرمت آدمیت و میت کی پامالی اور جان کی ہلاکت میں

اہون البليه حرمت کی پامالی کو اختیار کر کے جان بچانے کی اجازت دیدی  
جائے گی اور جان کی بلا کست جو بڑی برائی ہے اس کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

### دلیل ثالث

شریعت مطہرہ کا ایک یہ بھی متفقہ اصول ہے کہ بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ  
کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہاں بھی دو فائدے ہیں ایک فائدہ ہے کہ جان کا بچانا اس کو  
شفاء دینا اور دوسرا فائدہ ہے آدمیت اور میت کی تعظیم و تکریم۔ ظاہر ہے کہ جان کو  
بچانے اور اس کو شفاء دینے اس کو مصیبت سے نجات دلانے سے بڑا فائدہ کون سا ہو  
سکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب  
رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شعر کے دوسرے مصروفہ میں فرمایا۔  
اور حفظ جان تو جان فروغ غر کی ہے

یعنی بڑے بڑے اہم فرضوں میں سے سب سے اہم فرض اور سب فرضوں کی  
جان کسی جان کا بچالینا ہے۔ کسی جان کی حفاظت سب فرضوں سے زیادہ اور اہم فرض  
ہے لہذا کسی دوسرے کا عضو لینے میں بالفرض اگر آدمیت اور میت کی تکریم اور تحریم  
ختم بھی ہوتی ہے تو ہونے دیں گے۔ اس چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دیں گے لیکن بڑا فائدہ  
یعنی جان کی حفاظت اس کو ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تکریم  
آدمیت جیسے چھوٹے اور معمولی فائدہ کی خاطر حفظ جان جو ”جان فرض غر“ ہے اس  
کو کسی صورت میں ترک نہیں کیا جائے گا، چنانچہ بحر الرائق میں لکھا ہے.....

لَا نَذَالِكَ تُسْبِبُ فِيَّ احْيَاءَ نَفْسٍ مَحْتَرِمَةً بِتَرْكِ

تعظیم المیت فَالا حیاءُ اولیٰ

(بحر الرائق جلد ۸ ص ۲۳۳)

ترجمہ:- کیوں کہ تعظیم میت کے ترک میں ایک محترم جان کو زندگی مل رہی ہے لہذا جان بچانے اور زندگی بخشنے کو ترجیح دی جائے گی۔

دلیل رافع:-

شریعت اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ جب ایک چیز میں نفع اور نقصان کے دو پہلو ہوں لیکن نفع زیادہ ہو اور نقصان کم ہو تو نفع کو اختیار کر لیا جائے گا لہذا یہاں بھی ایک چیز ہے اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری۔ اب اس میں دو پہلو ہیں ایک نفع کا پہلو اور وہ ہے کسی کی جان کا نفع جانا یا کسی کو صحت اور شفاء حاصل ہو جانا اور دوسرا پہلو ہے نقصان کا اور وہ ہے کسی آدمی کا عضو لیکر آدمیت یا میت کی بے حرمتی کرنا لیکن چونکہ اس معاملہ میں جان کا نفع جانا یا کسی کو صحت مل جانا بہت بڑا نفع ہے لہذا اس نفع کو اختیار کر لیں گے اور کسی آدمی کا عضو لینے سے آدمیت یا میت کی جو بے حرمتی ہوگی اس نقصان کے پہلو کو نظر انداز کر دیں گے۔

مانعین کے اعتراضات:-

انسانی اعضاء کی پیوند کاری پر ہم نے ابھی جو چار دلائل ذکر کئے ہیں اس پر مانعین یعنی عدم جواز کا قول کرنے والے کچھ اعتراضات کرتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان دلائل کا وہ رد کرتے ہیں۔ آئیے ذرا ان کے اعتراضات کا جائزہ لیں۔

اعتراض اول:-

پہلی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدد جواں کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں.....

ضرورت سے منوع چیز مباح ہو جاتی ہے اس سے پیوند کاری کا

جو از لازم نہیں آتا کیوں کہ جو شخص اعضاء کثوار ہا ہے اسے کوئی ضرورت ہے نہ اضطرار تو کس بناء پر ایک ممنوع چیز اس کے لئے مباح ہوگی۔

شرح صحیح مسلم، از غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۸۶۶

جواب:-

اس کا جواب یہ ہے کہ مثلاً وہ بیمار جس کو گردہ کی ضرورت ہے وہ تو مضطرب ہے اور اس کو ضرورت ہے۔ اسی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے دوسرے کا عضو لینا اس کو جائز ہو گیا اس مجبور دل اچار آدمی کے اضطرار اور ضرورت کی وجہ سے جس آدمی کا یہ عضو لے رہا ہے اس کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ جو شخص عضو دے رہا ہے اس کے لئے علیحدہ کسی دوسرے اضطرار کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

دیکھئے امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول ہے کہ کوئی حاملہ فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا جائز ہے۔ اب یہاں اضطرار کی حالت بچہ کی ہے نہ کہ ماں کی۔ ضرورت بچہ کو ہے نہ کہ ماں کو لیکن چونکہ بچہ کی ضرورت ماں کے ساتھ متعلق ہے لہذا ماں کا پیٹ چاک کرنا اس کی لاش کی بے حرمتی جو کہ اشد حرام فعل تھا وہ جائز ہو گیا حالانکہ ماں حالت اضطرار میں نہیں بلکہ وہ تو مردہ ہے جہاں اضطرار اور عدم اضطرار کی بحث ہی نہیں کی جاسکتی تو ضرورت اور اضطرار ماں کو نہیں بلکہ صرف بچہ کو ہے اور اس کی وجہ سے پیٹ چاک ماں کا کیا جا رہا ہے ”یعنی ضرورت یہاں ہے اور حرمت وہاں ختم ہو رہی ہے۔“ اب میں معترضین سے کہتا ہوں جو جانہیں میں اضطرار لازمی قرار دیتے ہیں وہ پہلے ماں میں اضطرار ثابت کریں پھر اس کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت

دیں حالانکہ اس کے تودہ بھی قائل نہیں۔۔۔! لہذا یہاں بھی ان کو عضو دینے والے کے اضطرار پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ جو آدمی یکار ہے وہ مفطر ہے اور ضرورت مند ہے اور اس کی ضرورت جس دوسرے شخص کے ساتھ متعلق ہے اس کا عضو لینا اور اس کو اپنا عضو کاٹ کر اسے دینا جائز ہو جائے گا۔ اس جان بلب مریض کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے دینے والے کی حرمت ختم ہو جائے گی، جس طرح بچہ کی ضرورت اور اضطرار کی وجہ سے اس کی ماں کی لاش کی حرمت ختم ہو گئی تھی۔

### اعتراض ثانی:-

دوسری دلیل کا رد کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجده فرماتے ہیں۔

دو برائیوں میں سے کم براۓ کو اختیار کر لینا چاہیے، گزارش ہے کہ اعضاء کو کٹوانا تو براۓ ہے لیکن کسی ضرورت مند کو یہ اعضاء کاٹ کرنہ دینا سرے سے کوئی براۓ ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا کسی انسان کو مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ ضرورت مندوں میں اپنے اعضاء تقسیم کرے بلکہ اپنے اعضاء کاٹ کر دینے سے روکا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے ظاہر ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۸۶۶)

### جواب

بے شک ”مطلقًا“ اعضاء کاٹ کرنہ دینا کوئی براۓ نہیں بلکہ اس وقت اعضاء کا کاثنا براۓ لیکن جب اس کا تعلق کسی قیمتی جان کی ہلاکت سے ہو اور اس کے باعث ایک قیمتی جان ضائع ہو رہی ہو تو اب کاثنا براۓ نہیں ہو گا بلکہ نہ کاثنا معیوب سمجھا جائے

گا اگلے اور اُراق میں ہم متعدد آیات اور احادیث پیش کر رہے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں ایک انسانی جان کی کیا اہمیت اور کتنی قدر و قیمت ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود بغیر اپنا کوئی خاص نقصان کئے کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا برا ہے اور اپنی تنگی اور تکالیف برداشت کر کے دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہئے والا خدا کو کتنا پیارا اور محبوب ہے۔

### اعتراض ثالث

تیری دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ سعیدی صاحب زید مجدد اس کا یوں رد فرماتے ہیں.....

”بڑے فائدہ کی خاطر چھوٹے فائدہ کو چھوڑ دینا چاہیے لیکن یہاں اپنے اعضاء کو کٹوادینا یا ان کی وصیت کرنا چھوٹا فائدہ نہیں بھاری نقصان ہے“

اسی طرح چوتھی دلیل پر اعتراض کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں.....

”جب ایک چیز میں نفع اور ضرر کے دو پہلو ہوں اور ضرر کم اور نفع زیادہ ہو تو نفع کو اختیار کر لینا چاہئے۔ اس قائدہ کا اطلاق بھی یہاں صحیح نہیں کیوں کہ اس قاعدہ کے مطابق اول تو نفع اور ضرر ایک شخص کے لحاظ سے ہے اور جس معاملہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہاں دوالگ الگ شخص ہیں۔ ثانیاً یہاں اعضاء کٹوانے میں اس شخص کو نفع بالکل نہیں ہے۔ سر اسر نقصان ہے“

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی ج ۲ ص ۸۶۷)

جواب:-

علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ یہاں چوتھے قاعدہ کا اطلاق صحیح نہیں اس سے میں متفق نہیں۔ فقیر کی نظر میں چوتھے قاعدہ کا یہاں مکمل طور پر اطلاق ہو رہا ہے کیونکہ قاعدہ نہیں کہ کسی ایک ”چیز“ میں نفع و ضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا، بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی ایک ”معاملہ“ میں نفع و ضرر کے دو پہلو ہوں تو نفع کو اختیار کیا جائے گا..... دیکھئے ابھی جو میں نے مثال عرض کی تھی اس میں ماں اور بچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتیں ہیں۔ بچہ کا نفع ہے لیکن ماں کا نقصان ہے مگر چوں کہ معاملہ ایک ہے اور اس ایک معاملہ میں احیاء کا فائدہ اور نفع ہے جب کہ میت کی پامالی کا نقصان ہے لہذا اس نقصان کو نظر انداز کر دیا گیا اور نفع کو اختیار کر لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی ایک چیز میں نہیں بلکہ کسی ایک معاملہ میں نفع و ضرر کے پہلو ہوں تو وہاں نفع کو ترجیح ہو گی لہذا یہاں بھی نفع اور ضرر اگرچہ دو علیحدہ علیحدہ ذاتوں کے لحاظ سے ہیں لیکن ایک معاملہ میں ہیں اور وہ ہے اعضاء کی پیوند کاری کا معاملہ لہذا اس قاعدہ کا اطلاق اس پر بھی ہو گا اور نفع والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح علامہ صاحب کا یہ فرمانا کہ ”اعضاء دینے میں بھاری نقصان ہے اور اس میں نفع بالکل نہیں“، یہ بھی شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے کیونکہ اپنے بھائی کی زندگی یا اس کے سکھ کی خاطر کچھ قربانی دینے کو اسلام میں ”ایثار“ کہا جاتا ہے اور اس صفت کو اپنانے والا خدا اور اس کے رسول کو محبوب ہوتا ہے۔ وہ بے حد و حساب اجر و ثواب کے علاوہ اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتا ہے جیسا کہ اگلے اور اراق میں آنے والی آیات اور احادیث سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ لہذا جو شخص اپنا عضو دے کر اپنے بھائی کی جان بچا رہا ہے وہ ایثار جیسی اعلیٰ صفت سے متصرف ہو کر ”رضائے الہی“ کی عظیم ترین نعمت سے سرفراز ہو رہا ہے۔ یہ وہ دولت

اور نعمت اس کو حاصل ہو رہی ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں، دولتیں اور فائدے بیچ ہیں۔ ایسی لازوال نعمت اور ابدی فائدہ اور دلائلی نفع حاصل کرنے والے کے لئے یہ کہہ دینا کہ اس کو کوئی فائدہ اور نفع نہیں بڑی توجہ خیز بات ہے۔ آپ کہتے ہیں اس کو بھاری نقصان ہے میں کہتا ہوں اس کا اتنا بھاری اجر اور ثواب ہے کہ کل قیامت کے دن جب نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گا تو اس وقت یہ ایک عمل اس کی نیکیوں کے پلہ کو بھاری کر کے اس کے لئے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا جیسا کہ آئندہ اور اراق میں حدیث ذکر کی جائے گی کہ ایک کتنے کی جان بچانے کی وجہ سے ایک گناہ گار عورت کی نجات ہو گئی تو پھر اشرف المخلوقات اور وہ بھی ایک (مسلمان) نبی کے متی کی جان بچانے والا کیوں نہ بخشتا جائے گا۔ کیا دین و دنیا میں اس سے بڑا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے.....؟

### مسئلہ کی اہمیت:-

آئیے ذرا قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کسی کی جان بچانے کی کیا اہمیت ہے اور بچانے والے کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور کسی کی جان نہ بچانا کتنا برابر فعل ہے۔ گرددہ دے کر کسی کی زندگی بچانے، اس کو سکھ اور آرام پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرنے والا خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں کتنا محظوظ ہے اور قدرت رکھنے کے باوجود کسی کی جان نہ بچانے والا کتنا مبغوض ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیات و احادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکے کہ اس اہم مسئلہ کو اسلام میں کتنی اہمیت حاصل ہے۔

### قرآن کی روشنی میں

1۔ ارشاد پروردگار ہے ----

ویؤثرون علی افسہم ولو کان بهم خصا صته

(پارہ نمبر ۲۸ سورہ حشر آیت نمبر ۹)

ترجمہ:- اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کی مدح و ستائش کی جا رہی ہے جو دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ جو خود تکالیف اٹھا کر اپنے بھائیوں کو راحت اور آرام پہنچاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ گردہ جیسی چیز کی آدمی کو شدید حاجت ہوتی ہے جو لوگ اس کو بھی اپنے بھائیوں پر قربان کر دیتے ہیں وہ اس آیت کے بموجب اللہ کے زندگیکے پسندیدہ بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تعریف فرمارہا ہے جو ایسی ضروری اہم اور محبوب چیز بھی اپنے دوسرے بھائیوں کو دے دیتے ہیں اور اپنے نفسوں پر دوسروں کو ایسی چیزوں میں ترجیح دیتے ہیں جس کی ان کے نفسوں کو اور ان کی اپنی جانوں کو زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لاک تحسین اور قبل صد تعریف ٹھہرے جو اپنے بھائی کی تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کی زندگی کو بچاتے ہوئے اپنا گردہ جس کی ان کو شدید حاجت ہوتی ہے وہ اپنے ضرورت مند بھائی کو عطا یہ یا وصیت کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی تکالیف کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اپنی جانوں پر اپنے بھائی کو ترجیح دے کر اللہ کے محبوب اور پیارے بن جاتے ہیں۔

(2)۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا ۔ ۔ ۔

”وَإِنَّا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ“

(پارہ نمبر ۲۸ سورہ اعراف آیت ۶۸)

(36)

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام آدمیوں کے ساتھ "خیر خواہی" کرنا یہ کارانبیاء ہے اور بہت اجر و ثواب کا کام ہے ذرا اندازہ کیجئے کہ کسی کی زندگی بچانے اور اس کی تاریک زندگی کو روشن کرنے سے زیادہ اس کے ساتھ اور خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے۔ لہذا جو شخص کسی اپنے مسلمان بھائی کو گردہ دے کر یا ان کی وصیت کر کے یہ عظیم خیر خواہی کا کام کرتا ہے وہ کس قدر اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور خیر خواہی جیسے کارانبیاء کرنے کے باعث کس قدر رب کا قرب حاصل کرے گا اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

3--اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.....

من قتل نفساً بغير نفس او فساد في الارض فكأنما  
قتل الناس جمِيعاً و من أحياها فكأنما أحى الناس  
جميعاً

(پارہ ۲۶ سورہ مائدہ ر آیت ۳۲)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بد لے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا کر اس نے گویا سب لوگوں کو جلا کیا۔

اس آیت کے تحت تفسیر ابن کثیر میں ہے.....

وقال مجاهد في روایة و من أحياها اى انجها من  
غرق او حرق او هلكة .

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰)

یعنی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ "و من أحياها" کے معنی یہ ہیں کہ

کسی آدمی نے کسی کو غرق ہونے سے یا جلنے سے یا کسی بھی قسم کی ہلاکت سے بچالیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں فرمایا.....

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بد لے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلایا تو اس نے گویا سب لوگوں کو جلایا۔

حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا.....

جس نے بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کی سزا کے بغیر نا حق کسی کو قتل کیا تو گویا اس نے قتل کر دیا سب لوگوں کو۔ جس نے اسے بچالیا تو گویا اس نے بچالیا سب لوگوں کو۔

مولانا احمد علی لاہوری اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں.....

جس نے کسی انسان کو خون کے بد لے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے تو گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

ذراغور فرمائیے کہ اسلام اور قرآن کی نظر میں ایک انسانی جان کی کس قدر اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ ایک جان کا بچانا پوری انسانیت کا بچانا، ایک کو زندگی بخشنا پوری نوع انسانی کو زندگی بخشنا اور ایک کو جلانا پوری نسل انسانیت کو جلانا شمار کیا جا رہا ہے اور

ایک کونہ بچا کر ہلاک کرنا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا شمار کیا جا رہا ہے۔ اصل میں بتانا یہ مقصد ہے کہ انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے اگر تم کسی انسانی جان کو بچانے کی قدرت رکھتے ہو تو اس اہم معاملہ میں ہرگز تسلی نہ کرنا اس کی زندگی بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا اس کو ہر چیز پر فو قیت دینا یہ تمام فرضوں میں سب سے اہم فرض ہے۔

اس واضح آیت مبارکہ کے باوجود جو مفتیانِ کرام یہ فرماتے ہیں کہ نہیں....! جو شخص مرتا ہے تو اس کو مر نے دو لیکن گردہ لگا کر اس کونہ بچاؤ اس کو زندگی نہ بخشوود نہ صرف یہ کہ اس آیت مبارکہ کا صریح انکار کر رہے ہیں بلکہ اس آیت میں ارشاد رب العزت کے بموجب وہ ساری انسانیت کے قاتل ہیں....!

### حدیث کی روشنی میں

1-- رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا.....

عن ابی رقیہ تمیم بن اووس الداری رضی اللہ عنہ ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدین النصیحة .

(صحیح مسلم)

حضرت ابی رقیہ تمیم بن اووس الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

یعنی لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا دین کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس حدیث مبارک کی روشنی میں جو اپنے اعضاء دے کے اپنے بھائی کی جان بچا کر خیر خواہی کی ایک مثال قائم کرتا ہے وہ درحقیقت دین کی اساس اور بنیاد کو مستحکم کر رہا ہے۔

2-- مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ان کا بھلا چاہنے کی کتنی اہمیت ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے بعض صحابہ کرام سے اس پر بیعت لی یعنی ان سے ہاتھ پکڑ کر عہد لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ خیرخواہی کرنا۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے.....

عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال بایعتم  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اقام الصلوٰۃ و  
ایقاء الزکوٰۃ و النصٰح لکل مسلم .  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

لہذا اگر کبھی خدا نخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ تمہاری جان کے لائلے پڑ جائیں ایسے وقت میں تم یہ چاہو گے کہ کوئی تمہاری جان بچائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی پر ایسا وقت آجائے تو تم اس کی جان بچانے کے لئے دوڑ پڑو۔ اب میں اس حدیث کی روشنی میں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دینے والے علماء اور مفتیان کرام سے پوچھتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ آپ پر یہ وقت آجائے کہ آپ کے گردے بیکار ہو جائیں، آپ اس دنیا میں چند لمحوں کے مہمان ہوں، ڈاکٹروں نے جواب دیدیا ہو، سب آپ کی زندگی سے مايوں ہو گئے ہوں، آپ کو سورہ یاس میں سنائی جا رہی ہو اتنے میں آپ کا کوئی جاننے والا اپنا ایک گرده آپ کو دے دے اور اس سے آپ کو دوبارہ زندگی مل جائے تو کیا آپ اس کو پسند نہیں کریں گے .....؟ اگرچہ اس وقت آپ زبان سے کچھ بھی کہیں لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس

وقت آپ نہایت مسروراً و شاداً ہوں گے اور اپنا گرددہ دیکر آپ کی جان بچانے والے کے آپ صمیم قلب سے ممنون ہوں گے۔ لہذا حدیث بالا کی روشنی میں جب آپ اپنے لئے یہ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کی زندگی بچائے تو آپ بھی اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچائیے اور بچانے کا مشورہ اور فتویٰ دیجئے اور ایسا کرنا حدیث بالا کی روشنی میں آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہو گا۔

4--رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا.....

و عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال قال رسول

الله عَزَّلَهُ مِنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اس حدیث کی رو سے کسی مسلمان بھائی کو آدمی تڑپتا ہوا اور مرتا ہواد کیھے لیکن اس کو ذرا رحم نہ آئے اور وہ گرددہ یا کوئی عضو دیکر اس کی جان نہ بچائے تو کل اس پر بھی کوئی وقت پڑا تو کوئی اس پر بھی رحم نہیں کرے گا۔ وہ اگر کسی کے کام نہ آیا تو کل مشکل کے وقت کوئی اس کے بھی کام نہیں آئے گا۔

5--ارشاد گرامی ہے .....

عَنْ أَبْنَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخْوَانُ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمْهُ وَلَا يُسْلِمْهُ

مَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَيْهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ

فَرَجَ عَنِ الْمُسْلِمِ كَرْبَلَةَ فَرَجَ اللَّهُ عَنْهُ بِهَا كَرْبَلَةَ مِنْ

کرب یوم القيامة و من ستر مسلماً ستراه اللہ یوم  
القيامة .

(بخاری و مسلم )

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے۔ جب تک کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجتیں پوری فرماتا رہتا ہے اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی دنیاوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیف دور فرمادیتا ہے اور جو کوئی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی فرماتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں واضح طور پر کسی دکھ اور تکلیف میں پھنسنے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی مشکل آسان کرنے اس کی تکلیف دور کرنے پر رب کے بہت سے انعام و اکرام کی خوشخبریاں سنائی گئی ہیں۔ لہذا اگر دہ کا عطا یہ دے کر یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے مسلمانوں کی مشکل کشائی کرنے والے کے لئے عظیم مژده جانفرزاء ہے۔ یہ نقصان نہیں بلکہ عظیم دینی اور اخروی فوائد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

6- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور اقدس میں ہونے والی جنگ یرموک کا ایک واقعہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ کے اختتام پر حضرت شریعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں

زخمیوں کو پانی پلاتے پھر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حارث بن ہشام کو دیکھا کہ وہ زخمیوں سے چور ہیں اور جان بلب ہیں۔ آپ نے ان کو پینے کے لئے پانی دیا تاکہ ان کی جان نجح جائے ابھی انہوں نے پانی پینے کے لئے منہ کھولا، ہی تھا کہ قریب سے دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے اسی وقت پانی منہ سے ہٹا دیا حالانکہ وہ پانی پی کر اپنی جان بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے فرمایا کہ پہلے میرے اس بھائی کو جا کر پانی پلاو یہ زخمی حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پیارے صحابی تھے جو زخمیوں سے چور اس جہاں میں چند لمحوں کے مہمان تھے۔ حضرت شرجیل نے پانی ان کی طرف آگے بڑھایا تاکہ یہ پی کر اپنی جان بچا لیں ابھی انہوں نے پانی پینا ہی چاہا تھا کہ قریب سے ایک اور زخمی حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کراہنے کی آواز آگئی۔ اس آواز کے آتے ہی حضرت عکرمہ نے پانی پی کر اپنی جان نہیں بچائی بلکہ بغیر پینے پانی اپنے منہ سے ہٹا دیا اور فرمایا پہلے میرے بھائی کو پلاو تاکہ اس کی جان نجح جائے چنانچہ جب حضرت شرجیل وہ پانی لے کر حضرت سہیل کے پاس گئے تو وہ اس وقت جام شہادت نوش فرمائچے تھے۔ پھر وہ اس پانی کو لے کر واپس حضرت عکرمہ کے پاس آئے تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ پھر وہ اسی پانی کو لے کر پہلے والے زخمی حضرت حارث کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح بھی قفس غندری سے پرواز کر چکی تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

الغرض اسلام کے ان تین عظیم سپوتوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے یہ سبق دے دیا کہ اپنے بھائی کی زندگی کی خاطر اپنی زندگی کو قربان کر دینا یہ ایشارہ کا بڑا بلند مقام اور محبو بیت کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسلام کا ذریں سبق ہے۔ اب وہ مفتیان کرام ذرا غور فرمائیں جو اپنے مسلمان بھائی کی زندگی بچانے کے

لئے ایک گروہ دینے پر بھی حرمت کے فتوے لگا رہے ہیں جس میں دینے والے کا کوئی خاص نقصان بھی نہیں ہوتا جب کہ صحابہ کا طریقہ ان کی سنت اور ان کا "عملی فتویٰ" یہ ہے کہ اپنی جان دے کر بھی اپنے بھائی کی زندگی بچتی ہے تو اپنے بھائی کی خاطراپنی جان دینے سے بھی گریزناہ کرو۔

ذراغور فرمائیں کہ جب بھائی کی خاطراپنی جان دینے میں کوئی حرج نہیں تو گروہ دینے میں کیا حرج ہے.....؟ اور جو مفتیان کرام گروہ یادل دیکر اپنے بھائی کی جان بچانے کو حرام کہتے ہیں وہ اب یہاں کیا فتویٰ ارشاد فرمائیں گے.....؟ کیا یہ صحابہ کرام جنہوں نے اپنے بھائیوں کی خاطراپنی جان میں قربان کر کے ایثار کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے چمک رہی ہے اور جس کو میسیوں علماء اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے اسلام کی عظمت کو اس واقعہ کے ذریعہ آشکارا کیا ہے ان مفتیان کرام کے فتوے کی رو سے اپنی جان بچانے کا فرض ادا نہ کر کے اپنے بھائی کے لئے اپنی جان دینے کے "حرام فعل" کا ارتکاب کر کے معاذ اللہ کیا یہ صحابہ کرام حرام کی موت مرے.....؟ معاذ اللہ استغفر اللہ ۔

7-- حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے .....

لزوال الدنيا اهون عند الله من قتل رجل مسلم.

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۳۷)

ترجمہ:- بیشک دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ آسان ہے اس سے کہ کسی مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔

اس حدیث مبارک نے ایک مسلمان کی جان اور زندگی کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور دین اسلام میں جواہمیت ہے اس کو بیان کر دیا کہ ساری روئے زمین اپنی تمام تر

عظامتوں کے ساتھ ایک طرف اور ایک ادنیٰ سے مسلمان کی جان ایک طرف۔ پھر بھی یہ ساری زمین ایک مسلمان کی جان کے مقابلہ میں کچھ نہیں یہ خدا کا فیصلہ ہے اور مفتی کا فیصلہ یہ ہے کہ نہیں! آدمی کی جان سے زیادہ ایک آدمی کا گردہ قیمتی ہے جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن کسی کا گردہ ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔

8-- ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے.....

قال رسول الله ﷺ غفرلًا مرأة مومسته مرت  
بكلب على رأس ركى يلهمت كاد يقتله العطش  
فنزلت خفها فاوتفته بخمارها فنزعـت له من الماء  
فغفرـله بذالـك قـيل ان لنا في البـهائم اـجرأ قال فـي  
كل ذات كـبد رـطبة اـجر.

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقۃ، ص ۱۶۸ ارجو الہ بخاری و مسلم)

ترجمہ:- ایک بد کار عورت صرف اس لئے بخش دی گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری تھی جو ایک کنوئیں کے پاس کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا اور بالکل مرنے کے قریب تھا۔ اس عورت نے اپنا موزا اتارا اور اس کو اپنے دوپٹہ سے باندھ کر اس کے لئے اس سے پانی نکالا۔ اس اس کی وجہ سے وہ بخش دی گئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے پر ہمیں اجر ملے گا.....؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر تر جگر کھنے والے (یعنی جاندار) کے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر ثواب ہے۔

غور فرمائیے ایک کتاب جو مرنے کے قریب ہواں کی اگر کوئی جان بچا لے تو جنت میں چلا جائے تو جو اشرف الخلوقات میں سے کسی کی جان بچائے گا وہ کیوں نہ جنت کا اعلیٰ مرتبہ پائے گا.....؟ پھر صحابہ کرام کے حضور ﷺ سے سوال و جواب نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے تو آدمی کے ساتھ حسن سلوک اور اس کے مشکل وقت میں گردہ یا آنکھ وغیرہ کی وصیت کر کے اس کی مدد کرنے کا کتنا بڑا ثواب ہو گا وہ بیان سے باہر ہے۔

9-- ایک اور فرمان رسول ﷺ .....

عذبت امرأة في هرة امسكتها حتى ماتت من الجوع  
فلم تكن تطعمها ولا ترسلها فتأكل من خشاش  
الارض

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۱۶۸ ارجو حوالہ بخاری و مسلم)

ترجمہ:- ایک عورت کو صرف ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جس کو اس نے باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی اس عورت نے نہ اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اس کو آزاد چھوڑا کہ وہ خود زمین کے جانور رکھاتی۔

اس حدیث مبارک میں دعوت فکر ہے ان مفتیان کرام کے لئے جواعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کے فتوے لگا کر جان بلب مريضوں کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں اور ان کو تڑپا تڑپا کر مار رہے ہیں۔ وہ غور کر میں اور اس وعدے سے ڈریں کہ جب ایک بلی کے مارنے پر عذاب ہو سکتا ہے تو کسی آدمی کے مارنے پر کتنا عذاب ہو گا...؟

10--ایک اور ایمان افروز رسول ذیثان کا فرمان عالیشان.....

بِسْمِكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدْقَةً وَأَمْرَكَ  
 بِالْمَعْرُوفِ صَدْقَةً وَنَهِيكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدْقَةً  
 وَارْشَادَكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدْقَةً وَ  
 وَنَصْرَكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَ الْبَصْرُوكَ صَدْقَةً وَ  
 امَاطْتَكَ الْحَجَرَ وَالْشَّوْكَ وَالْعَظَمَ عَنِ الطَّرِيقِ  
 لَكَ صَدْقَةً وَافْرَاغَكَ مِنْ دَلْوَكَ فِي دَلْوَكَ أَخِيكَ  
 لَكَ صَدْقَةً .

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ، ص ۱۲۸، رحمۃ الرحمۃ)

ترجمہ:- تیرا اپنے بھائی کے سامنے مسکراانا صدقہ ہے اور تیرا کسی اچھے کام کا حکم کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی بڑے کام سے منع کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی کو بے نشان جگہ پر راہ بتلا دینا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے اور تیرا کسی راستہ سے پھر اور کاشا اور بڑی کا ہٹا دینا بھی تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔

اس حدیث مبارک میں ”ونصرک الرجل الردی البصر“ (کسی اندھے یا کم نظر آنے والے کی مدد کرنا) کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ یہاں حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اندھے کو راستہ دکھاؤ یا اس کا ہاتھ پکڑ کے لے جاؤ بلکہ ایک عام لفظ ”نصرک“ فرمایا جس کے معنی ہیں اس کی مدد کرنا۔ اس دانائے کل ختم الرسل

کو سب کچھ پتہ تھا کہ چودھویں صدی کے اندر سر جری اتنی ترقی کر جائے گی کہ لوگ اپنی آنکھوں کا عطیہ دے کر بھی اپنا نابینا بھائیوں کی مدد کریں گے اس لئے آپ نے ”نصرک“ کا عام لفظ ارشاد فرمایا جس میں راستہ دکھا کر اس کی مدد کرنا بھی آگیا اور آنکھوں کا عطیہ دے کر اس کی مدد کرنا بھی آگیا۔ آپ نے نابیناؤں یا کم نظر آنے والوں کی ہر قسم کی مدد کی تلقین فرمائی اور اس کے ثواب کا ذکر کر کے مخلوق خدا کو آنکھیں عطیہ کرنے کی رغبت بھی دلادی۔

11- سرور دو جہاں ﷺ نے فرمایا.....

لَقَدْ رَأَيْتَ رِجَالًا يَتَقْلِبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةِ قَطْعِهَا

مِنْ ظَهَرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تَوْذِي النَّاسَ .

(مشکوٰۃ، باب فضل الصدقہ ص ۱۶۸ ارجو حوالہ صحیح مسلم)

ترجمہ:- بیشک میں نے ایک شخص کو جنت میں پھرتے ہوئے دیکھا اس وجہ سے کہ اس نے راستہ میں سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو ایذا پہنچاتا تھا۔

سبحان اللہ...! راستہ میں درخت سے بندگان خدا کو جو معمولی سی تکلیف ہوتی تھی اس کو دور کرنے والے کے جب سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور وہ جنت میں جا سکتا ہے تو وہ شخص جو نابینا کو آنکھیں عطا کر کے یا بلڈ یوریا کے مہلک مرض میں تڑپتے ہوئے جاں بلب مریض کو گردہ دیکران کی سخت ترین اذیت اور تکلیف کو دور کرے گا اس کے کیوں نہ گناہ معاف ہوں گے اور وہ کیوں نہ جنت کی ابدی راحتیوں کا مستحق ہوگا۔

کیا یہ ”عقل و نقل“ اور ”روایت و درایت“ کے خلاف بات نہیں کہ ایک کتے کی جان بچانے والا اور ایک لوگوں کی راہ سے درخت ہٹا کر ان کو راحت پہنچانے والا تو

جنت میں چلا جائے اور ایک انسان کی جان بچانے والا اس کو سخت ترین ایذاء اور کرب سے نجات دینے والا صرف اس جرم میں جہنم میں جائے کہ اس نے کسی کی جان بچا کر کسی مسلمان کو سخت تکلیف سے نجات دیکر ”حرام کام“ کیوں کیا، حیرت ہے ان فتوؤں پر

عقل کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا عقل  
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

12- دو جہاں کے والی، رحمۃ اللہ علیمین ﷺ کا ارشاد مبارک ہے  
من سر مسلمًا بعده ف قد سرنی فی قبری و من  
سرنی فی قبری سره اللہ تعالیٰ یوم القيامة .

(کنز العمال ج ۲ ص ۳۳۲)

ترجمہ:- جس نے میرے بعد کسی مسلمان کو خوشی پہنچائی اس نے بلا شک و شبہ میری قبر میں مجھے مسرور کیا اور جس نے میری قبر میں مجھے مسرور کیا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خوش کر دے گا۔

کتنا بڑا مژدہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے مسلمان بھائی کو جھوٹی جھوٹی خوشیاں پہنچا کر اپنے رب اور اپنے آقا و مولا سرورد دو جہاں ﷺ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔ پھر ان کا تو کہنا ہی کیا جو آنکھیں اور زندگی جیسی عظیم نعمت کسی مجبور کی جھوٹی میں ڈال کر اس کے قلب کی بے پناہ فرحت و انبساط کا سامان کرتے ہیں اور اس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بے نہایت رضا اور بے پایاں الطاف و کرم سے اپنی جھوٹی کو ملاماں کر لیتے ہیں۔

## مانعین کے دلائل کے جوابات

اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز کے قائلین میں حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدد بھی ہیں جو اس کے عدم جواز کے ثبوت کیلئے مسلم شریف کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔۔۔۔۔

### دلیل اول

حضرت طفیل دوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ساتھی کو سخت تکلیف ہو گئی اور جب وہ تکلیف ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تو انہوں نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی انٹیوں لے جوڑوں کو کاٹ لیا جس کی وجہ سے ان کے دونوں ہاتھوں سے اس قدر خون بہا کہ اس کے باعث ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل لے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی سائبنت میں ہیں لیکن دونوں ہاتھ ان کے لمبے ہونے ہیں حضرت طفیل نے پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے سبب بخش دیا۔ حضرت طفیل نے جب ہاتھوں کے متعلق پوچھا کہ ان کو کیوں لپیٹا ہوا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے۔ حضرت طفیل نے یہ خواب سور ﷺ سے بیان کیا۔ حضور ﷺ نے خواب سن کر فرمایا ”اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔“

(صحیح مسلم جلد ایک ص ۲۷)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مبدہ تحریر فرماتے ہیں.....

اس حدیث سے واضح ہوا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں اور ان کو کاٹ نہیں سکتا۔ پورا عضو کا ناتو کجا صرف انگلیوں کے جوڑ کا ٹھنڈا ناراض ہوا اور فرمایا ”لَنْ نَصْلِحَ مِنْكُمْ مَا  
أَفْسَدْتُ“، جس عضو کو تم نے بگاڑا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے، جو لوگ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے دینے ہوئے اعضاء کو کٹوا دیتے ہیں یا مرنے کے بعد کاٹ دیتے جانے کی وصیت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آخرت میں ان اعضاء سے محروم کر دیتے جائیں اور ان کا حشر آنکھوں یا دیگر اعضاء کے بغیر ہو۔

(شرح صحیح مسلم، غلام رسول سعیدی، جلد ایک ص ۸۶۶)

### جواب:-

اس حدیث مبارک سے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں کیوں کہ اس حدیث مبارک کی رو سے وہ صحابی اپنے آرام کی خاطر اور اپنی تکلیف کی نجات کی خاطر اپنے اعضاء کو بگاڑنے اور خود کشی جیسے حرام فعل کے مرتكب ہوئے جس کی حرمت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جب کہ یہاں ایک انسان اپنی خاطر نہیں بلکہ اپنے بھائی کی تکلیف رفع کرنے کی خاطر بلکہ اس کو زندگی کے عطا کرنے کی خاطر ایک ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے جس میں خود کشی یا ہلاکت تو کجا اس کی زندگی اور صحت پر بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

وہاں انگلیوں کے قطع سے جان چلی گئی جب کہ یہاں گردے کے قطع کرنے سے نہ جان جاتی ہے نہ صحت جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اس حدیث سے پیوند کاری کے عدم جواز پر کیسے استدلال درست ہو سکتا ہے۔ ایک اعضاء کا کاشناہ موم ہے اور ایک

اعضاء کا کائنات محسود ہے۔ مذموم وہ ہے جو ہلاکت تک لے جانے والا ہوا اور محسود وہ ہے جس میں جان کی ہلاکت نہ ہو، مذموم وہ ہے جو اپنے آرام کے لئے ہوا اور محسود وہ ہے جو دوسروں کے آرام کے لئے ہو۔ تو چونکہ آجکل اعلیٰ سرجری کے باعث گردہ وغیرہ کے عطیہ دینے والے کی جان جاتی نہیں اور لینے والے کی جان نجیج جاتی ہے لہذا اس کے جواز بلکہ محسود ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس قطع محسود کو قطع مذموم پر قیاس کرنا کسی طرح سے بھی درست نہیں۔

### دلیل ثانی:-

مانعین کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ”وَلَقَدْ كَرَمَنَا بْنَى آدَمَ“ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تکریم دی ہے اور یہ کاثر پیش اس کی تکریم اور تعظیم کے خلاف ہے۔ لہذا اضطرار کی حالت میں بھی یعنی اگر کسی کی جان جا رہی ہے تو چلی جائے لیکن اس کی جان کو بچانے کے لئے بھی کسی آدمی کے کسی عضو کا کاثر کر اس لئے نہیں لگایا جا سکتا کہ اس میں آدمیت کی حرمت کی پامالی ہے جو ہرگز جائز نہیں اس پر وہ فتاویٰ قاضی خان کی یہ عبارت بھی پیش کرتے ہیں۔۔۔۔۔

مضطر لم يجد ميتة و خاف ال�لاك فقال له رجل اقطع  
ايدى و كلها او قال اقطع مني قطعة فكلها لايسعه ان  
يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يصح للمضطر ان  
يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل -

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۰۲)

ترجمہ:- کسی شخص کو حالت اضطرار میں کھانے کے لئے مردار بھی نہ ملے اور اسے اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہوا اور اس

(52)

سے ایک شخص کہے میرے گوشت کاٹ کر کھالو تو مضطرب کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا امر کرنا صحیح ہے جیسا کہ مضطرب کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ خود اپنا گوشت کاٹ کر کھا لے۔

اسی اُم کی عبارات ماؤنی ہندیہ، شرح المہذب، المغنی، الشرح الکبیر، الدسوی علی الشرح السبیر اور حاشیہ الصادی علی الشرح الصغیر میں بھی درج ہے۔

قیل الانتفاع باجزاء الادمی لم یجز لنجاسته و قیل لكرامته و هو

الصحيح

(بساطہ ج ۵۱ ص ۱۲۵)

ترجمہ:- کہا گیا ہے کہ آدمی کے اجزاء سے انتفاع ناجائز ہے اس کے بخوبی ہونے کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اس کی کرامت کی وجہ سے اور یہی قول صحیح ہے۔ مانعین کے نزدیک صرف زندہ ہی نہیں بلکہ مردہ انسان کے اعضاء بھی لینے جائز نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک زندہ اور مردہ کا حکم یکساں ہے۔ اس حدیث کی بناء پر حضور ﷺ نے فرمایا.....

کسر عظام المیت ککسرها حیا

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۳۳)

چنانچہ اس کے عدم جواز کے ایک اور قائل مفتی محمد شفیع صاحب اس کی حرمت پر اسی دلیل سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں.....

اگر انسان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو کہ اس کی کھال اور بال اور

اعضاء کو قطع و برید کر کے استعمال کیا جائے تو یہ انسانی شرافت و تکریم اور منشاء تخلیق کائنات کے بالکل منافی ہے اس لئے انسان اعضاء کی خرید و فروخت، کات کر اس کو استعمال کرنا سگین جرم اور سخت حرام قرار دیا ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری شریعت اسلامیہ کی روشنی میں، مفتی

محمد شفیع، ص ۳۱)

### جواب اول :-

مانعین کے اس استدلال کے جواب سے پہلے ایک تمہید ہے۔ وہ یہ ہے کہ عرف و عادت کے بعض احکامات زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں چنانچہ ایک بیرون کا ایک علاقہ میں حسن کے اندر شمار ہوتا ہے تو اسی چیز کا دوسرے علاقہ کی عرف و عادت کے مطابق قبح میں شمار ہوتا ہے چنانچہ شریعت مطہرہ کے اس اصول کو امام ابو الحاشی شاطبی ایک مثال دے کر سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں .....

والمتبدله منها ما يكون متبدلًا في العدة من حسن الى

قبح و بالعكس مثل كشف الراس فانه تختلف بحسب

البقاء في الواقع فهو الذي المردات قبيح في البلاد

المشرقيه وغير قبيح في البلاد المغربية فالحكم الشرعي

يختلف باختلاف ذلك فيكون عند اهل المشرق

قادح في العدالة و عند اهلا المغرب غير قادر.

(الرافقات، ج ۲، ص ۲۰۹-۲۱۰)

ترجمہ:- بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف اور بعض قبح سے

حسن کی طرف تبدیل ہو جاتی ہیں جیسے ننگے سر ہونا کہ مختلف علاقوں کے لحاظ سے اس کا حکم مختلف ہو جاتا ہے کیونکہ مشرقی ممالک میں ننگے سر ہونا کوئی معیوب بات نہیں۔ لہذا اس عرف و عادت کے اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم بھی مختلف ہو جائے گا یعنی اہل مشرق کے یہاں عدالت میں ننگے سر ہونا قابل اعتراض کہلائے گا جب کہ اہل مغرب کے یہاں یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوگی۔

اس تمہید کے بعد اب جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی کی حرمت اور اس کی تعظیم و تکریم بڑی اہم چیز ہے اور جو امور اس کی تکریم کے خلاف ہوں اور تو ہیں آمیز ہوں وہ جائز نہیں لیکن تکریم و تو ہیں کے لئے شریعت نے کوئی اصول اور بیانہ مقرر نہیں کیا۔ اس کا فیصلہ عرف و عادت کے مطابق ہوگا جب کہ عرف و عادت زمانہ اور علاقہ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ بے شک پہلے زمانہ میں انسانی اعضاء کی قطع و برید انسانیت کی تو ہیں شمار ہوتی تھی اور اس کو آدمیت کی حرمت اور اس کی تکریم کے خلاف تصور کیا جاتا تھا لہذا اس زمانہ میں یہ حرام تھا لیکن آج کے زمانہ میں اپنا عضو کسی کو عطیہ کرنا کوئی معیوب بات نہ رہی بلکہ اس کے برعکس فضیلت اور عظمت کی بات شمار ہوتی ہے کہ فلاں وزیر صاحب نے یا فلاں اہم شخصیت نے اپنی آنکھ عطیہ کر دی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیا عظیم انسان ہے جس نے دوسروں کی بھلائی کے لئے یہ وصیت کی ہے۔ الغرض چوں کہ زمانہ کے تغیرے یہ عرف و عادت متغیر ہو گئی ہے لہذا اس کا حکم بھی بدل جائے گا۔ پہلے بے شک یہی فعل

تکریم آدمیت کے منافی ہونے کے باعث حرام تھا لیکن آج کے دور میں تکریم آدمیت کا موجب ہونے کے باعث جائز ہو جائے گا۔

### جواب ثالثی:-

مانعین کے اسی استدلال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بے شک تکریم انسانیت اور حرمت آدمیت بڑی اہم چیز ہے لیکن شریعت مطہرہ میں انسانی جان بچانے سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں۔ دیکھئے اس پر سورہ مائدہ کی وہ آیت شاہد ہے جو اس فقیر نے پہلے نقل کی ہے جس میں رب کائنات نے صرف ایک جان کے ضائع ہونے کو ساری انسانیت کا ضایع اور ایک جان کے بچانے کو ساری انسانیت کا بچانا فرمایا ہے یعنی یہ بتا دیا کہ تم ایک جان کو ضائع کر کے ساری انسانیت کو ختم کر رہے ہو تمام انسانوں کو ضائع کر رہے ہو جب کوئی رہا ہی نہیں تو اب تکریم کس کی.....؟ کیوں کہ تکریم تو ایک صفت ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہو گی جب انسان ہی ختم ہو گئے، ایک کونہ بچا کر اس کو مار کر تم نے ساری انسانیت کو نیست و نابود کر دیا تو اب تکریم اور تحریم کس کی کرو گے.....؟ تکریم کا تو بعد میں نمبر آئے گا پہلے موصوف کو تو باقی رکھوتا کہ صفت کا بعد میں اس کے ساتھ اتصاف ہو سکے۔

جو مفتیان کرام ”تکریم“ کو تو اہمیت دے رہے ہیں لیکن زندگی بچانے کو جواصل ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص بغیر وضو کے نماز شروع کر دے اور ایک مفتی صاحب یہ جانتے ہوئے کہ یہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے اس کو تلقین کریں کہ میاں رکوع وجوداً چھپی طرح کرو، اپنی اسکر نماز میں خشوع و خضوع بھی پیدا کرو، طہانیت اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو..... تو ان سے بھی عرض کیا جائے گا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ایک ایسی چیز کے حسن اور نکھار کی آپ

تلقین فرمارے ہے ہیں جس کا وجود ہی نہیں ہے کیونکہ بغیر وضو کے نماز ہی نہیں ہوتی جب نماز ہی نہیں ہے تو اس کے حسن و نکھار اور اس کی تحریم و تعظیم کی بات کرنا لایعنی اور مہمل ہے۔ پہلے اس کو تلقین کیجئے کہ وضو کر کے نماز پڑھے، جب نماز کا وجود قائم ہو جائے پھر اس کے نکھار اور اس کے نوک پلک سنوارنے کی بات کیجئے۔

اسی طرح یہاں بھی پہلے ایک انسان کو بچا کر ساری انسانیت کو بچانے کی بات  
کیجئے پھر اس کی تکریم و تحریم کی بات آپ کو زیب دے گی ورنہ ایک آدمی کی جان انہوں بچا  
کر اس کو ختم کر کے آپ نے قرآن کے ارشاد کے مطابق جب ساری انسانیت ہو، کو  
ختم کر دیا اب ”تکریم“، کس کی کراں میں گے؟

(ب) شریعت مطہرہ میں حرمت آدمیت سے زیادہ انسانی جان کے بچانے کی اہمیت ہے، فقیر کے اس دعوے پر مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے علاوہ بعض فقہی جزئیات بھی اس کے مسوید ہے۔ دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہے تو اس بچہ کی زندگی بچانے کی خاطر فقہاء نے عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ عبارت ملا حظہ ہو.....

لو ان حاملا ماتت في بطنها ولديضطرب فان كان

غالب الظرف انه ولد حي وهو في مدة يعش غالباً يشق

بطنها لان فيه احياء الادمى فترك تعظيم الادمى اهون

**من مباشرة سبب الموت -**

(تحفة الفقها، جلد ٣، ص ٣٢٣)

ترجمہ:- اگر کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں کوئی بچہ حرکت کرتا ہو اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ بچہ زندہ ہے اور اتنی

مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں ایک آدمی کو زندگی بخشا ہے۔ پس آدمی کی تعظیم کو چھوڑ دینا آسان ہے اس سے کہ کسی زندہ کی موت کا سامان کیا جائے۔

یہی مسئلہ فقہ حنفی کی کتاب در مختار میں اس طرح بیان کیا گیا.....

حامل ماتت و ولدہا حیی پر ضرب شق بطنہا  
اس، ہی جزئیہ پر فقہ حنفی کی معتبر کتاب الحرارائق میں یوں دلیل  
وی گئی....

لان ذالک تسبب فی احیاء نفس محترمة بترك تعظیم

المیت

(در مختار جلد ایک ص ۸۳۰)

کیونکہ یہاں تعظیم میت کا ترک ایک محترم جان کے احیاء اور بقاء

کا سبب بن رہا ہے

غور فرمائیں مفتیان کرام جو احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق احادیث نقل کر کے اعضاء کے عطیہ دینے کی حرمت کو ثابت کرتے ہیں کیا اتنے بڑے فقہاء کی نظر میں وہ احادیث نہیں تھیں.....؟ یقیناً تھیں اور ان کو آدمیت اور میت کے آداب اور احترام کا اچھی طرح پتہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ حاملہ کے پیٹ کو چاک کر کے میت کی بے حرمتی کو جائز قرار دے رہے ہیں صرف اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں آدمی اور میت کی حرمت سے زیادہ انسانی جان کو اہمیت حاصل ہے۔

لہذا اس فقہی مسئلہ کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ کسی کی جان بچانے کے لئے

اعضاء کا عطیہ دینے یا وصیت کرنے میں آجھل اگرچہ یہ کوئی معیوب اور تحریم آدمیت کے خلاف بات شمار نہیں ہوتی لیکن اگر بالفرض کوئی اس کو احترام آدمیت کے خلاف تصور کرتا ہے تب بھی کسی کی جان بچانے کی خاطر ایسا کرنا جائز اور درست بلکہ کارثوab ہوگا۔ اس وقت احترام میت یا احترام آدمیت کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سب کو چھوڑ کر ایک جان بچانے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ حرمت آدمیت کے مقابلہ میں انسانی جان بچانا زیادہ اہم ہے۔

(ج) ایک اور فقہی جزئیہ ہے کہ کوئی مضطراً انسان کسی مردہ آدمی کو کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے یا نہیں.....؟ مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا جب کہ شوافع اور بعض احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ کھا سکتا ہے کیونکہ زندہ کی حرمت مردہ سے زیادہ ہے.....

وقال الشافعی و بعض الحنفیة يباح وهو اولى لان

حرمة الحی اعظم

(المغني جلد ۹ ص ۳۲۵)

احترام آدمیت اور احترام میت سے متعلق تمام آیات اور احادیث کے باوجود علماء کا ایک جان بچانے کی خاطر مردہ آدمی کو کھانے کی اجازت دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شریعت میں آدمی کی تحریم و تکریم سے زیادہ انسانی جان کی زیادہ اہمیت ہے۔ لہذا اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلہ میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اس کے جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(د) فقہاء نے یہ بھی ایک مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مضطرب کو کوئی ایسا شخص مل جائے جس کو کسی جرم کی وجہ سے شرعی طور پر قتل کی سزا انسانی گئی ہو تو وہ مضطرب ایسے شخص کو

قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔

(المغنى جلد ۹ ص ۳۳۵)

بہرہ بھی ہر دعوے کی واضح دلیل ہے کہ کسی کی جان بچانے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اس کے مقابلہ میں ”حرمت آدمیت“ کا خیال نہیں کیا جائے گا۔ حرمت آدمیت کا مرتبہ بعد میں ہے پہلا مرتبہ انسانی زندگی کے بچانے کا ہے۔

لہذا وہ شخص جس کی زندگی کسی قتل کی سزا کے باعث ختم ہو رہی ہے اس سے اگر کسی دوسرے انسان کو زندگی مل جاتی ہے تو اس کے جسم سے انتفاع جائز ہو گا اور اب حرمت آدمیت کا کوئی خیال نہیں کیا جائے گا۔

(ر) آدمیت کی حرمت کی تو اسلام میں یہ حدیث ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا اور وہ آدمی مر گیا تو بعض حالات میں اس شخص کا موتی دلوانے کے لئے بھی اس ”میت“ کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے چنانچہ فقهی کی معتبر کتاب در مختار میں ہے.....

ولوبل عمال غیرہ و مات هل یشق قولان الاولیٰ

نعم فتح

(در مختار جلد ایک ص ۸۲۰)

ترجمہ:- اور اگر کسی شخص نے کسی کامال نگل لیا اور پھر مر گیا تو کیا اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا.....؟ اس میں دو قول ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ چاک کیا جائے گا، فتح القدر۔

ذراغور فرمائیے کہ فقہاء کی نظر میں احترام آدمیت اور احترام میت کے مقابلہ میں

اے۔ انسان کے مالی حقوق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے تو پھر جہاں احترام آدمیت کے مقابلہ میں انسان بہان جسی چیز آجائے جس کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی بھلا ایسی قیمتی اور اہم چیز کو یہ نظر انداز کر دیا جائے گا اور اس کے مقابلہ میں احترام آدمیت اور احترام اہمیت کو کیسے ترجیح دئی جائے گی۔ ماننا پڑے گا کہ انسانی جان کی اہمیت احترام آدمیت اور اہمیت اہمیت وغیرہ سے کہیں زیادہ ہے اور اس پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدریہ میں (ج ۲، ص ۱۰۲) بحر الرائق نے (ج ۸، ص ۱۰۵) فتاویٰ قاضی خان (ج ۳، ص ۳۱۱) اور علامہ ابن عابدین نے شامی میں (ج ۱، ص ۸۳۰) بھی اسی طرح لکھا ہے۔

### جواب ثالث

مانعین نے جو بعض فقہی جزئیات سے استدلال کیا ہے مثلاً یہ کہ فقہاء کا قول ہے کہ مختصر اپنی جان بچانے کے لئے کسی دوسرے آدمی کا خود اپنے جسم کے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر نہیں کھا سکتا۔ یہ اس کے لئے جائز نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دوسرے کے اعضاء لینا، اس سے انتقام اور کسی کا اپنے اعضاء عغیہ کرنا یا وصیت کرنا جائز نہیں۔

ان کا جواب یہ ہے کہ بعض فقہاء اور شادفات سے آپ کا استدلال کر کے اعضاء کے عطیہ کی حرمت کا قول کرنا درست نہیں کیوں کہ یہاں فقہاء نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنایا اور سرے کا گوشہ کاٹ کر بھانے کی اس لئے اجازت نہیں دی کر خون کے زیادہ بہہ جانے کے باعث اس کی اپنی بیاد دوسرے کی موت واقع ہو سکتی ہے تو گویا یہاں جان بچ نہیں رہی تھی بلکہ اس کی اپنی بیاد دوسرے کی جان جانے کا قوی اندیشہ تھا چنانچہ علامہ ابن قدامہ اس کی بیکھرود بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں....

ولنا ان اکله من نفسه ربما قتلہ فیکون قاتلاً نفسه

ولا یتیقن حصول البقاء باکاه

(المغنی جلد ایکس ص ۲۳۵)

ترجمہ:- اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آدمی کا اپنے بیشم میں سے کسی حصہ کو کھانا بعض دفعہ اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے اس طرح وہ خود اپنا قاتل ہو جائے گا اور اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اجازت نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کی جان بچنے کا نہیں بلکہ جان ضائع ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہذا جہاں یہ اندیشہ نہ ہو وہاں یہ جائز

ہوگا جیسے آجکل سرجری نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ کسی عضو کی منتقلی میں کسی ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندریشہ نہیں ہوتا۔ لہذا یہ صورت اس مندرجہ بالا فقہی جزئیہ کے تحت نہیں آئے گی اور نہ فقہاء کے اس قول پر اس کو قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا جائے گا کیونکہ فقہاء کے اس قول اور جزئیہ میں ”جان کا نقصان“ ہے جب کہ ہمارے مسئلہ میں دونوں جانوں کا ”حفظان“ ہے۔

### دلیل ثالث:

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ”مثلہ“ سے منع فرمایا ہے اور اس میں مثلہ پایا جاتا ہے لہذا یہ حرام ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدد اس دلیل کو کتب لغت کی روشنی میں تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز پر یوں استدلال فرماتے ہیں.....

علامہ ابن منظور افریقی ”مثلہ“ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا اور مثلہ زدہ جانوروں کے کھانے سے بھی منع فرمایا اور مثلہ یہ ہے کہ جانوروں کو کھڑا کر کے اس پر تیر اندازی کی جائے یا زندہ جانوروں کے اعضاء کاٹ دیے جائیں۔ حدیث میں ہے آپ نے مثلہ سے منع فرمایا کہا جاتا ہے میں نے حیوان کو مثلہ کیا جب کہ اس کے اعضاء کاٹ ڈالے جائیں اور وہ بدہیت ہو جائے۔

مثلہ، بِالْمَقْتَبَلِ إِذَا جَدَعَتْ أَنفُهُ وَ أَذْنَهُ أَوْ مَذَا كَرَهَ أَوْ شَيْءًا  
من احترافہ اور کہا جاتا ہے میں نے مقتول کو مثلہ کر دیا جب کہ

مقتول کے ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹ دیئے جائیں اور اس کا اسم مثلہ ہے۔ علامہ ابن کثیر اور علامہ زبیدی نے بھی مثلہ کا یہی معنی بیان کیا ہے اور اس میں دشمن کو ہلاک کرنے یا اس کی تذلیل کی قید نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ ڈالنا یہ مثلہ ہے اور اسی سے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اور پیوند کاری کے لئے جس زندہ یا مردہ کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں اس عمل سے رسول ﷺ کے فرمان کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔

(شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ایک رص ۸۶۳)

### جواب اول:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مثلہ کی تعریف دنیا کی ہر عربی لغت میں یہی ملے گی کہ ”اعضاء کا کاثنا“، لیکن احادیث مبارکہ میں جس ”انسانی مثلہ“ سے ممانعت کی گئی ہے اس میں یہ معنی یقیناً شامل ہیں کہ کسی کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لئے اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کو سخ کرنا کیوں کہ عرب میں اس وقت دشمنی نکالنے کا یہی وحشیانہ طریقہ راجح تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا لہذا جس پس منظر میں یہ ممانعت ہوئی اس کو اس ممانعت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مثال دے کر اس کی وضاحت کرتا ہوں.....

### مثال:

جیسے قرآن پاک میں ارشاد ہے.....

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُ وَلَا يَضُرُّكُ

(سورہ یونس پارہ ۱۱ آیت ۱۰۶)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر جلالیں نے ”تدع“ کے معنی ”تعبد“ کے لکھتے ہیں حالانکہ کسی عربی لغت میں تدع کے معنی تعبد کے نہیں۔ اس کا اتباع کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کا ترجمہ یہ لکھا۔۔۔۔۔

”اور اللہ کے سواء اس کی بندگی نہ کر جونہ تیرا بھلا کر سکنے نہ برا۔“

حالانکہ ”تدع“ کے معنی بندگی کے کسی لغت میں درج نہیں لیکن یہاں علماء کرام اور مفسرین عظام اس آیہ مبارکہ کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے اس کے معنی بیان فرمائے ہیں اور اس کا پس منظر یہ تھا کہ عرب کے مشرکین بتوں کو اپنا عبود اور خدا سمجھ کر پکارا کرتے تھے اور اس طرح کسی کو پکارنا یہ عبادت ہو جاتا ہے۔ اس لئے مفسرین نے اب ”لاتدع“ کے صرف معنی یہ نہیں کہ کسی کونہ پکارو کیوں کہ اگر اس کو مطلق رکھتے ہوئے ہر قسم کے پکارنے کی ممانعت ہو جائے اور کسی قسم کا پکارنے والا بھی مشرک ٹھہرے تو دنیا میں پھر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ گھر میں صبح سے شام تک کبھی اپنی ماں کو کبھی اپنی بیوی کو کبھی بچوں کو کبھی دوست احباب کو نہ معلوم کس کس کو آدمی پکارتا ہے کیا یہ سب شرک ہو گیا۔۔۔۔۔؟ ہرگز ایسا نہیں اس لئے محقق علماء نے اس کے مطلقًا پکارنے کے یہاں لغوی معنی نہیں کہ بلکہ اس آیت کے پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو بھی اس میں شامل کرنے کے تعبد کے یہ معنی کہ اللہ کے علاوہ کسی کو مت پوجو۔

اسی طرح یہاں بھی انسانی مثلہ کے لغوی معنی اگرچہ عام ہوں لیکن حدیث میں جب انسانی مثلہ سے ممانعت آئے گی تو اس میں اس ممانعت کے پس منظر کو ضرور ملحوظ رکھا جائے گا اور اس کا مفہوم بیان کرتے وقت اس کو ضرور شامل کیا جائے گا۔ لہذا

انسانی مثلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کو قتل کر کے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ منع ہے اور حرام ہے۔ ہمارے اس جواب کی تائید خود علامہ سعیدی صاحب کی لسان العرب کے حوالہ سے بیان کردہ عبارت سے ہوتی ہے جس میں انسانی مثلہ کے لئے مطلقاً کسی آدمی (خواہ زندہ ہو یا مردہ) کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ نہیں کہا گیا بلکہ ”قتیل“ کے اعضاء کاٹنے کو مثلہ کہا گیا یعنی لفظ قتیل (مقتول) لا کر بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات آشکارا کر دی کہ مثلہ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ اس کو قتل کر کے پھر اس کے اعضاء کاٹ جائیں۔ ظاہر ہے قتل کسی دشمنی ہی کی بنیاد پر ہوگا کوئی محبت سے تو قتل نہیں کرتا لہذا لفظ قتیل نے بتا دیا کہ انسانی مثلہ کے مفہوم میں یہ چیز شامل ہے کہ کسی کو قتل کر کے اس سے اپنی دشمنی نکالنے کے لئے بطور انتقام اس کے اعضاء کاٹ کر اس کی لاش کی تذلیل کرنا یہ انسانی مثلہ کہلاتا ہے اور احادیث میں اسی کی ممانعت آتی ہے۔

جب کہ یہاں مثلہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی کیوں کہ بخوبی اپنا کوئی عضو دینے والا نہ مقتول ہے اور نہ کسی دشمنی کی بناء پر اس کے اعضاء کاٹ جا رہے ہیں نہ اس کی تذلیل ہو رہی ہے بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہے۔ وہ کسی سے انتہائی محبت یا عقیدت رکھنے کے باعث انسانی ہمدردی نے جد بہ کے تحت اپنا کوئی عضو دینے کا اعلان کر کے اپنی عزت و تکریم میں اضافہ کر رہا ہے لہذا ”مثلہ“ کی ممانعت والی احادیث یہاں چسپا کر کے اس کی حرمت کا قول کرنا قرین انصاف نہیں۔

#### دلیل رابع:

مانعین کی ایک دلیل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا لہذا وہ اپنے جسم کے متعلق وصیت نہیں کر سکتا کیوں کہ وصیت اپنی ملک میں کی جاتی ہے اور اس پر دلیل

کے طور پر وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُوْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِاَن لَّهُمْ

الجنة

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ لہذا اب ان کی جان اللہ کی ملکیت ہو گئی اب اس میں تصرف کا انہیں کوئی حق نہیں اس کے علاوہ دلیل کے طور پر وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس میں خودکشی کی ممانعت کی گئی ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحب اور علامہ سعیدی صاحب کے علاوہ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی اس کی حرمت پر یہی دلیل لاتے ہوئے کہتے ہیں۔۔۔

اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنے جسم کے مالک خود کب ہیں۔۔۔؟ مذہب ہی نہیں خود قانون بھی آپ کو اپنے جسم کا مالک قرار نہیں دیتا۔ اگر اپنے جسم کے مالک آپ خود ہیں تو پھر آپ کو خودکشی کی اجازت کیوں حاصل نہیں۔۔۔؟ آپ اپنے آپ کو نیچ کیوں نہیں سکتے۔۔۔؟ اب جس جسم پر جیتے جی آپ کے اختیارات کا یہ عالم ہے اسی جسم کے حصے بخڑے کرنے کا آپ اس وقت کیا اختیار رکھتے ہیں۔ جب آپ اسے چھوڑ کر جا چکے ہوتے ہیں۔۔۔؟ اس وقت اگر ایسی کوئی اجازت آپ کو قانون دیتا ہے تو یہ قانون کا سبق ہے مذہب کا نہیں۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، اردو مجالس سید مودودی ص ۳۱)

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی رو سے صرف ہمارا جسم ہی نہیں بلکہ ہمارے اموال بھی اللہ نے خرید لئے ہیں اور ان کا بھی وہ مالک ہو گیا ہے بلکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق صرف ہماری جانوں اور مالوں کا ہی نہیں وہ تو کائنات کی ہر شے کا اصل اور حقیقی مالک ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے.....

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

ترجمہ:- اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

لیکن اس نے یہ چیزیں ہمیں دی ہیں اور ہمیں ان کا مالک بنادیا ہے اور اس میں تصرف کا ہمیں اختیار بھی دیا ہے اس پر دلیل وہ آیات ہیں جن میں ان چیزوں کی نسبت قرآن میں ہماری طرف دی گئی ہے مثلاً فرمایا.....

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

(سورہ توبہ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیجئے۔

دوسرے مقام پر فرمایا.....

وَلَا تَقْتُلُوا انفُسَكُمْ

(سورہ نساء آیت ۲۹)

اور اپنے نفسوں کو قتل مت کرو۔

حتیٰ کہ بعض مقامات پر تو صاف طور سے ”ملکیت“ کی نسبت انسانوں کی طرف دیتے ہوئے فرمایا گیا.....

وَالْمَحْصُنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

(سورہ نساء آیت ۲۲)

یعنی تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں مگر کافروں کی عورتیں جس کے تم مالک ہو وہ تم پر حرام نہیں۔

ان آیات میں اموال اور افسوس جن کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ان کی نسبت ہماری طرف دے کر حتیٰ کہ کافر عورتوں کی ملکیت کی نسبت ہماری طرف فرمایا کہ بیشک ان سب چیزوں کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کی عطا سے ہم بھی مالک ہیں اور اس کے دیے ہوئے اختیار سے اس کی عطا کردہ ملکیت میں خواہ وہ افسوس ہوں یا اموال، ہم تصرف کا بجا طور پر حق اور اختیار رکھتے ہیں۔

لہذا جو شخص ایثار اور خیر خواہی کی آیات اور احادیث کو منظر رکھتے ہوئے اپنے افسوس اور اموال میں جو خدا نے اس کی ملکیت میں دے دیے ہیں تصرف کر کے خدا کے بندوں کی زندگیاں بچاتا ہے اور ان کی مشکلیں آسان کرتا ہے وہی قیناً خدا کی رضا اور خوشنودی کا مستحق ٹھہرے گا۔

مانعین کے خیال کے مطابق اگر اننان سے ہر قسم کی ملکیت اور تصرف کی نفی کر دی جائے تو اجر و ثواب کا تصور ہی ختم ہو جائے گا کیوں کہ جب ”ان اموال“ کے ہم مالک ہی نہیں یہ اموال ہمارے ہیں، ہی نہیں تو پھر ان کو صدقہ و خیرات کرنے کا ہمیں کیوں ثواب ملے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے ”حلوائی کی دکان اور ناناجی کی فاتحہ“، کوئی اگر حلوائی کی دکان پر جا کر بغیر خریدے اس کی ساری مشھائی غرباء میں تقسیم کر دے تو اسے ثواب نہیں ملے گا بلکہ عذاب ہو گا کہ اس نے غیر کے ملک میں تصرف کیوں کیا جب کہ ہمیں ”اموال“ میں تصرف کرنے پر ثواب ہوتا ہے۔ پتہ چلا کہ یہ اموال اور افسوس ہماری ملک ہیں اور ان میں تصرف کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے لہذا عدم ملک سے افسوس اور اموال میں عدم تصرف اور اعضاء کی وصیت کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں۔

اسی طرح خودکشی کی حرمت کے لئے عدم ملک کی دلیل لانا بھی کسی حدیث نے ثابت نہیں۔ خودکشی ایک قتل ہے اور قتل کی حرمت پر جب سیکھروں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کی حرمت ثابت کرنے کے لئے عدم ملک جیسی لایعنی اور مہمل دلیل اپنے دل سے گڑھنے کی آخر کیا ضرورت ہے۔

### دلیل خامس

ماعین کی ایک دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے....

لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

(جامع ترمذی ابواب الاستیزان جلد ۲ ص ۲۸۶)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بال ملانے والی، ملاقات کی خواہش کرنے والی اور بدن گونے اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے جب کسی دوسرے کے بال ملانا اور بدن گدوانا جائز نہیں تو بدن کا ایک پورا عضو قطع کرنا اور دوسرے کے لگانا کب جائز ہوگا.....؟

### جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی باب "یعنی" "باب ماجاء فی الواصلة والمستوصلة" میں جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اسی باب میں ایک اور اسی مضمون کی تفصیلی حدیث بھی ذکر کی ہے جس سے اس حدیث کے معنی واضح ہو کر سہائے آ جاتے ہیں وہ حدیث مبارک یہ ہے ....

ان النبی ﷺ لعن الواشمات والمستوشمات

والمنتقمات مبتغيات للحسن مغيرات خلق الله هذا

حدیث حسن صحیح -

(جامع ترمذی ابواب الاستیذان جلد ۲ ص ۲۸۵)

ترجمہ:- بیشک نبی کریم ﷺ نے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور ان پر بھی جو اپنے چہرہ کے بال کو چنتی ہیں حسین بنے کے لئے اور اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث مبارک میں ”الحسن“ کا لفظ واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ یہ جسم پر تغیر و تبدیل اور کسی دوسرے کے بال لگانا اس وقت منع ہے جب کہ بغیر کسی ضرورت کے صرف زیب و زنیت اور حسن و جمال کے لئے ہو اور وہ احادیث جو اس سلسلہ میں مطلق آئی ہیں ان کو بھی اسی قید پر محمول کیا جائے گا بالکل اسی طرح جس طرح ایک حدیث مبارک میں از راه تکبر کپڑا لٹکانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے.....

لَا يَنْظُرَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَىٰ مِنْ جَرْثُوبَهِ خِيلَاءٌ -

(ترمذی، ابواب اللباس جلد ایک ص ۶۱) کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو تکبر سے اپنا کپڑا لٹکیت کر چلے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مطلقًا کپڑا نیچے کرنے پر ممانعت اور وعید یہ آئی ہیں وہاں بھی یہی ”خیلاء“، یعنی تکبر کی شرط محفوظ ہو گی اور ان احادیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کہ جو شخص از راه تکبر کپڑا لٹکائے گا وہ گنہگار ہو گا اور اس پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور جہاں تکبر نہیں ہو گا وہاں نہ یہ وعید یہی ہوں گی اور نہ

وہ حرام ہوگا۔

ای طرح ہم کہتے ہیں کہ یہاں بھی ایک حدیث میں جو الحسن کی قید ہے وہ دوسری مطلق احادیث میں بھی ملحوظ ہوگی اور اس قسم کی تمام احادیث اور آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ صرف حسن اور آرائش کی غرض سے ”یہ تبدیلی اور تغیر“، اور ایک دوسرے کے بال استعمال کرنا ناجائز ہے جب کہ اعضاء کی پیوند کاری کی صورت میں حسن و جمال کے لئے یہ تغیر و تبدل نہیں ہو رہا بلکہ سخت ترین ضرورت اور ایک جان کو بچانے کے لئے یہ عمل کیا جا رہا ہے جس کی ممانعت اس حدیث سے کوئی ثابت نہیں ہوتی۔  
دلیل سادس:-

مفتي محمد شفیع صاحب اس کے حرام ہونے پر ایک اور دلیل بھی ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں....

خدا نخواستہ یہ طریق علان رواج پا گیا تو اس کا ایک نقد نتیجہ تو یہ ہوگا کہ غریب انسان کی آنکھیں اور گردے اور دوسرے اعضاء ایک بکاؤ مال کی طرح بازار میں بکا کریں گے ----- اور خدا نخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس کام کے لئے بہت سے انسانوں کے قتل کا ایک بازار گرم ہو جانا ممکن ہے پورے انسانی معاشرہ کی تباہی کا اعلان ہے۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع، ص ۳۲)

جواب:-

اگر بالفرض یہ خدشات درست بھی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی وجہ سے

اس نیک اور جائز کام کو ہی ختم کر دیا جائے یا حرام قرار دے دیا جائے بلکہ ان حرام کاموں کو روکنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو اس جائز اور نیک کام میں پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب شامی نے بڑا پیارا اور جامع اصول بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں.....

و لا تترك لما يحصل عندها من منكرات و مفاسد كا  
ختلاط الرجال بالنساء و غيرها لان القربات لا ترك  
لمثل ذالك بل على الانسان فعلها و انكار البدع قلت  
و يو پدہ مامر من عدم ترك اتباع الجنائز و ان كان معها  
نساء نائحات۔

(شامی، کتاب الجنائز، باب زیارت القبور)

زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑا جائے گا کہ اس میں غیر شرعی باتیں ہوتی ہیں جیسے مرد اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ کیوں کہ اس قسم کی ناجائز باتوں کی وجہ سے مستحبات چھوڑنے نہیں جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ وہ ان کاموں کو (زیارت قبور) کرے اور بدعتوں کو روکنے کی کوشش کرے۔ اس کی تائید گزشتہ مسئلہ بھی کرتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگرچہ اس کے ساتھ یہ حرام کام ہو رہا ہو کہ توجہ کرنے والی عورتیں ساتھ چل رہی ہوں۔

اس عبارت سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اعضاء عطیہ کرنے جیسے نیک عمدہ، بھلائی اور خیرخواہی کے کام میں اگر کسی قسم کی کوئی حرام اور غلط بات روایج پانے لگے تو اس کی وجہ سے اس عظیم انسانی فلاح کے کام کو ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا اور نہ اس

کو حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اس غلط اور حرام کو روکنے کی کوشش کی جائے گی ورنہ اگر نیک کاموں میں ناجائز امور کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ نیک اور عمدہ کام ہی حرام ہونے لگیں تو پھر شادی بیاہ بھی حرام ہو جائے گا کیونکہ اس میں آجھل، میسیوں قسم کی بے ہودہ اور حرام رسمیں رواج پائی ہیں۔ جہازوں اور ریلوں اور بسوں کا سفر بھی حرام ہو جائے گا کہ وہاں بھی مردوزن کا اختلاط ہوتا ہے جو حرام ہے۔ عرس اور اولیاء کے مزارات پر حاضری بھی حرام ہو جائے گی کہ بعض مزارات پر ہر عرس کے دنوں میں دھماں، جوئے اور سڑے جیسے حرام کام ہوتے ہیں حالانکہ علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک عرس، مزارات اولیاء پر حاضری، شادی بیاہ میں شرکت اور جدید ذرائع آمد و رفت کے ذریعہ سفر یہ سب امور جائز ہیں۔ حرام امور کے ان میں آجائے کی وجہ سے یہ جائز چیزیں حرام نہیں ہو جاتیں ہاں البتہ ان حرام امور کو ان میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرور کوشش کی جائے گی۔

### دلیل سابع

مفتي محمد شفیع صاحب اس طریقہ علاج کے خلاف ایک ”عقلی دلیل“ لاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں....

سب مل کر اس کو رواج دینے کی کوشش بھی کر لیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی اندھا نہیں رہے گا یا کوئی بیمار تندرستی سے محروم نہیں رہے گا۔ تجربہ شاہد ہے کہ ان نئی سے نئی ترقیات ہی کے آپریشن لاموں اور مریض کی قیام گاہوں اور ماہر ڈاکٹروں کے سایوں میں روزانہ ہزاروں مریض دم توڑ کر عدم کی سرحد پار کر لیتے ہیں۔

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مفتی محمد شفیع، ص ۳۵)

جواب:

مفتی محمد شفیع صاحب جیسے ایک مکتبہ فکر کے مقتدر اور مستند مفتی اور عالم کی طرف سے اس قسم کی دلیل فقیر کے لئے انتہائی حیرت اور استعجاب کا باعث بنی کیوں کہ مفتی صاحب کے اس استدلال کی رو سے پھر تو تمام حکماء طباء اور ڈاکٹروں کو اپنی اپنی دکانیں، کلینک اور ہسپتال بند کر دینے چاہئیں کیوں کہ آج دنیا میں لاکھوں اندر ہے بھی موجود ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں بیکار بھی موجود ہیں اور یہی نہیں بلکہ شرح اموات بھی بڑھ گئی ہے ہر روز سیکھڑوں لوگ مر بھی رہے ہیں۔۔۔۔۔ سبحان اللہ! مفتی صاحب کی کیا دلیل ہے....؟ کیا کسی بھی طریقہ علاج کی یہ گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ اس میں سو فیصد شفاء ہی شفاء ہے یا اس علاج سے کبھی کوئی مرے گا نہیں۔ اگر نہیں دی جاسکتی اور عدم جواز کی تھی مذکورہ دلیل ہو تو پھر اس ایک بیچارے اعضاء کی پیوند کاری کے علاج کا کیا قصور....؟ دنیا بھر کے سارے علاجوں کو اور ہر قسم کی دواؤں کو منوع قرار دے دیجئے کہ چونکہ ان علاجوں اور دواؤں کے باوجود لوگ بیکار بھی ہو رہے ہیں اور روزانہ لوگ مر بھی رہے ہیں الہند ایسے علاج ناجائز ہیں، کوئی کسی قسم کا علاج نہ کرے....!

### دلیل ثامن

اسی قسم کی ایک اور دلیل سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں

ادھر ایک شخص کی موت واقع ہوئی اور اس کے گھر میں کہرام مچا اور ادھر آنکھوں والے اس کی آنکھیں نکالنے آگئے۔ ہاتھوں اور ٹانگوں کے شعبہ سے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں کاٹ کر لے جانے

والے آگئے اور دل کے ڈیپارٹمنٹ سے آلات لئے اس کا سینہ  
چیر کر دل نکالنے والے آگئے۔۔۔ کیا واقعی انسانیت یہی سکھاتی  
ہے...؟ ایک مسلمان معاشرہ میں یہ چیز چل نکلے تو میں نہیں کہہ  
سکتا کہ اقرباء مرنے والے کا کیا بچا کھپامند یکھنے آئیں گے نماز  
جنائزہ کیا چیز سامنے رکھ کر پڑھی جائے گی اور قبر میں کیا شے لے  
جا کر دفن کی جائے گی؟

(اردو مجلس سید مودودی، ص ۳۲)

**جواب:-**

جونقشہ مولانا مودودی صاحب نے کھینچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے تمام  
پہلو اور شرط اُن کے مدنظر نہیں رہے کیوں کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس عضو کے  
لئے وہ آدمی وصیت کر کے جائے گا صرف اس عضو کا لینا جائز ہوگا باقی کسی دوسرے  
عضو کی طرف کسی ڈاکٹر یا سر جن کو اس ارادے سے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا  
وروہ عضو بھی ورثاء کی اجازت کے بعد لیا جاسکے گا ورنہ نہیں۔ لہذا پریشان ہونے کی  
شرط نہیں ایک یادو عضو جس کی اس نے وصیت کی ہوگی اور ورثاء جس پر راضی  
ہوں گے وہ عضو لیا جائے گا اس کے علاوہ باقی سارا جسم جوں کا توں ہوگا۔ اس کے  
اقرباء جی بھر کے اس کا آخری دیدار بھی کر سکیں گے نماز جائز بھی پڑھیں گے اور اپنے  
با تھوں سے اس کو قبر میں بھی دفن کریں گے۔

### انتقال خون

گزشتہ اوراق میں اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر جو مفصل بحث کی گئی اس سے  
انتقال خون کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ جب ضرورت کے تحت کسی انسان کا عضو لے کر

دوسرے کو لوگانا جائز ہے تو ایک آدمی کا خون دوسرے آدمی کو چڑھانا بھی جائز ہو گا لیکن اس کے لئے بھی وہ ہی شرائط ہوں گی کہ کسی مرضی کی ہلاکت یا تکلیف شدید کا خطرہ ہو اور ماہر معانج کا یہ کہنا ہو کہ اس نے بغیر اس کی صحت کا امکان نہیں تو ایسی صورت میں خون کا چڑھانا جائز ہو گا محض تقویتِ بدن یا حسن و صحت میں اضافہ کے لئے انتقال خون ناجائز ہے۔

**دلائل:-**

اس کی دلیل وہ ہی ہے جو اوپر گز ری کہ اگر چہ سیال خون بخس ہے اور ناپاک ہوتا ہے اس کے علاوہ اجزاءِٰ انسانی سے نفع حاصل کرنا احترام انسانیت کے منافی ہوتا ہے۔ لہذا ان دونوں وجہات کی بناء پر خون کا چڑھانا ناجائز اور حرام ہونا چاہیے لیکن قرآن نے ضرورت کے وقت جب سورا اور مردار جیسی اشد حرام چیز کا کھانا جائز قرار دے دیا اور آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو جن کی ناک کٹ گئی تھی سونے کی ناک لگانے کی اجازت دے دی جب کہ سونے کا استعمال مرد کے لئے حرام ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال اور اجزاءِٰ انسانی سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے۔ لہذا انسانی خون سے علاج بھی ضرورت اور حاجت کے وقت جائز ہو جائے گا۔ اس پر مزید دلیل یہ حدیث مبارک بھی ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل فرمایا ہے...

عَنْ أَنَسِ بْنِ فَلَكَ قَالَ قَدْمَ أَنَّاسٍ مِّنْ عُكْلٍ أَوْ عَرِينَةَ فَاجْتَهَوْا

الْمَدِينَةَ فَأَمْرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِلِقَاحٍ وَّ إِنْ يَشْرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا

وَ الْبَانَهَا فَإِنْ طَلَقُوهَا فَلَمَّا صَحُوا قَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ ﷺ

(صحیح بخاری، جلد ایک ص ۳۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عکل یا عرنیہ سے کچھ لوگ آئے اور انہیں مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیسیں جب وہ تند رست ہو گئے تو انہوں نے حضور ﷺ کے چرواحوں کو قتل کر دیا۔

دیکھئے پیشاب نجس اور حرام چیز ہے لیکن آپ نے بطور علاج انہیں پینے کا حکم دیا ثابت ہوا کہ ضرورت اور حاجت کے وقت جان بچانے یا شفاء حاصل کرنے کے لئے بھی حرام چیز کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ لہذا خون اگر چہ حرام ہے لیکن ایسے موقعہ پر اس کو چڑھا کر اس کے ذریعہ علاج کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں وضاحت اور صراحة کے ساتھ اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا...

یجوز للعلیل شراب الدم و البول و اكل المیة للتداوى

اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاء فيه ولم يجد من المباح

ما يقوم مقامة و ان قال الطبیب یتعجل شفائق فیه

وجهان

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۱۲)

اور بیمار کے لئے خون اور پیشاب کا پینا اور مردار کا کھانا بطور علاج کے جائز ہے بشرطیکہ کوئی مسلمان طبیب یہ بتائے کہ اس کی شفاء اسی میں ہے اور وہ کوئی دوسری مباح چیز نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہو اور اگر اس کے مقابل کوئی مباح چیز موجود تو ہو لیکن طبیب یہ کہے کہ اس میں جلد شفاء ہو گی تو اس میں دورائے

ہیں ایک جواز کی دوسری عدم جواز کی۔

اس کے علاوہ فقه کے اندر ایک اور جزئیہ بھی ملتا ہے جس سے استعمال خون کا جواز صراحت کے ساتھ ہو جاتا ہے.....

ولَا بَاسٌ بِانْ يَسْعَطُ الرَّجُلُ بِلِبْنِ الْمَرْأَةِ وَيَشْرِبُهُ

للدواء

(فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۱۲)

اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ بطور علاج آدمی کی ناک میں عورت کا دودھ ڈال دیا جائے یا اس کو پلا پلا دیا جائے۔

معلوم ہوا کہ علاج کی صورت میں اجزاء انسانی سے انتفاع جائز ہے کیونکہ نس طرح دودھ کے جزا انسانی ہونے کے باوجود یہاں اس سے علاج اور انتفاع کو جائز قرار دیا جا رہا ہے اسی طرح خون سے بھی جزو انسانی ہونے کے باوجود انتفاع اور علاج جائز ہو گا۔

شوہر کا خون بیوی کو دینا

اکثر یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ شوہر کا خون بیوی کو اور بیوی کا خون شوہر کو دینے سے نکاح میں کوئی فرق تو نہیں پڑے گا....؟ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑے گا کیوں کہ شریعت اسلامیہ میں محرومیت کو صرف نسب، رضاعت اور مصاہرت میں منحصر کر دیا ہے، اور رضاعت میں بھی ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہذا شوہر کا خون بیوی کو یا بیوی کا خون شوہر کو چڑھانا جائز ہو گا اس سے ایک دوسرے کے لئے محرومیت ثابت نہیں ہو گی اور نہ ہی ان کے نکاح پر اس کا کوئی اثر پڑے گا۔

(79)

## مانعین کی دلیل

جو حضرات اعضاء کی پیوند کاری کے عدم جواز اور انتقال خون اور الکھل می ہوئی دواؤں اور دیگر حرام اشیاء سے علاج کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے....

عن ام سلمة رضي الله عنها قالت قال رسول الله ﷺ  
ان الله تعالى لم يجعل شفاء امتى ضيقاً حرم عليها  
(شامی، ج ۱۹ ص ۲۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفاء ان چیزوں میں نہیں رکھی جوان پر حرام کر دی گئی ہیں۔

جب حدیث مبارک سے معلوم ہو گیا کہ حرام اشیاء میں شفاء ہے، ہی نہیں تو پھر حرام اشیاء سے شفاء کی امید پر علاج کب جائز ہوگا.....؟  
جواب:

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں....

واحیب بانہ محمول علی حالة الاختیار اما في حالة  
الاضطرار فلا يكون حراماً كالمیة للمضطر  
(عمدة القاری، علامہ بدر الدین عینی، ج ۳ ص ۱۵۵)

اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے جب آدمی کو حلal اور حرام دونوں پر اختیار ہو تو اس

صورت میں بیشک حرام کے اندر شفاء نہیں لیکن جب حالت اضطرار ہو کہ حرام کے علاوہ کوئی اور شفاء کی صورت نہ ہو تو اس وقت وہ چیز حرام ہی نہیں رہتی لہذا اب اس میں شفاء بھی ہو گئی جیسے مضطرب کو مزدرا کھانا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث اس صورت کے لئے ہے جب حلال و حرام دونوں قسم کی چیزیں موجود ہوں اور دونوں سے شفاء حاصل ہو سکتی ہو تو اس وقت حرام کے ذریعہ علاج کرنا ناجائز ہو گا اور اس وقت اس حرام شے میں شفاء نہیں ہو گی لیکن اضطرار کی صورت اس سے مستثنی ہے کیونکہ اس وقت وہ حرام چیز مضطرب کے لئے حرام نہیں رہتی بلکہ جائز ہو جاتی ہے لہذا اس میں شفاء ہو گی اور اس سے حالت اضطرار میں علاج ہو جائے گا۔

### پوسٹ مارٹم

پوسٹ مارٹم کئی ضرورتوں کی بناء پر کیا جاتا ہے.....  
وجہ اولیٰ:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی مقدمہ کی تحقیق کے سلسلہ میں کیا جائے اور اس کے ذریعہ کسی بے گناہ کی خلاصی ہو جائے اور اس کی جان بچ جائے۔ ایسی صورت میں پوسٹ مارٹم کرنا یقیناً جائز ہو گا اور اس کی دلیل وہ ہی فقہی جزئیہ ہو گا جو گزشتہ اور اراق میں گزر اک کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اس عورت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ میت کی حرمت اپنی جگہ پر لیکن کسی کی جان بچانے کے لئے کسی کی مشکل آسان کرنے کے لئے میت کی حرمت کا خیال نہیں کیا جائے گا اور پوسٹ مارٹم کر کے کسی ملزم کی خلاصی اور رہائی کو ترجیح دی جائے گی۔

**وجہ ثانیہ:**

دوسری پوست مارٹم کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنے کسی عضو کے لئے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میرا فلاں عضو نکال کر کسی کو لوگا دیا جائے۔ اس کی بحث مفصل گزری کہ ایسی صورت میں بھی اس میت کا آپریشن کر کے وہ عضو لینا جائز ہوگا۔ اس پر قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء سے دلائل ہم نے مفصل ذکر کر دیے۔

**وجہ ثالثہ:**

تیسرا پوست مارٹم کی وجہ یہ ہے کہ میڈیکل کالج کے طلباء کو آپریشن وغیرہ کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے تجربہ حاصل کر کے دوسرے زندہ لوگوں کے صحیح آپریشن کر کے اور عمدہ سرجری کے ذریعہ ان کوئی زندگیاں عطا کریں اور تکلیف وہ امراض سے ان کونجات دلا سکیں اس کو میڈیکل کی اصطلاح میں (Diss ection) کہا جاتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے یہ صورت بھی جائز ہوگی۔

**دلائل:**

اس پر تمام دلائل وہی لاگو ہوں گے جو انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے سلسلہ میں ہم ماقبل ذکر کر آئے ہیں بالخصوص ”دلیل ثانی“، یہاں خاص طور پر صادق آئے گی کہ جہاں دو برائیاں ناگزیر ہو جائیں وہاں بڑی برائی کو جھوٹ دیا جائے گا اور کم تر برائی کو اختیار کر لیا جائے گا تو چونکہ یہاں بھی دو برائیاں ہیں ایک میت کی بے حرمتی جو یقیناً بڑی برائی ہے لیکن کسی میڈیکل کے طالب علم کا صحیح مشق اور تجربہ حاصل نہ کر کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں زندہ لوگوں کے آپریشن خراب کر دینا اور ان کو موت کے منہ میں دھکیل دینا یہ یقیناً اس سے بھی بڑی برائی ہوگی لہذا منکورہ بالا قاعدہ کی رو سے اس بڑی برائی کو جھوٹ دیں گے اور جھوٹی برائی کو اختیار کر لیں گے یعنی پوست مارٹم کے ذریعہ

میت کی بے حرمتی کو برداشت کر لیں گے تاکہ وہ صحیح آپریشن سیکھ کر سینکڑوں اور ہزاروں بندگان خدا کی جان بچا سکے اور ان کو موزی امراض سے نجات دلائے۔

### مانعین کی رائے

حضرت مولانا غلام رسول سعیدی زید مجدد پوسٹ مارٹم کی پہلی صورت کو جائز اور آخری دو صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں.....

ایسی صورت میں جب کہ پوسٹ مارٹم کے ذریعہ کسی بے صورت کی  
جان بچانے کا مسئلہ ہو تو پوسٹ مارٹم کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے..... سرجری کی مشق کے لئے جانوروں اور غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے اور مسلم اموات پر سرجری کی مشق کرنا جائز نہیں اور غیر مسلم اموات کا حصول اس قدر دشوار نہیں ہوتا جس کی بناء پر مسلمان میت کی چیر پھاڑ کر کے اس کی بے حرمتی کی جائے خصوصاً اس صورت میں جب کہ پلاسٹک موڈل سے بھی تعلیم شروع کی جا چکی ہے۔ (شرح صحیح مسلم)

### جوابات:

حیرت ہے جہاں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ صرف ایک جان بچ رہی ہے وہاں مولانا سعیدی صاحب پوسٹ مارٹم کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دے رہے ہیں اور جہاں ایک ڈاکٹر کو آپریشن کا ماہر بنانا کر سینکڑوں ہزاروں جانیں بچائی جا رہی ہیں وہاں پوسٹ مارٹم کو ناجائز فرمائے ہیں.....؟ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ گمان ہے کہ تیسری صورت میں طلباء کو انسانی جسم کے پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہاں پلاسٹک ماؤل اور حیوانی جسموں کی صورت میں اس کا مقابل موجود ہے۔

حالانکہ میں نے ڈاکٹروں اور اس فن کے ماہروں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پلاسٹک ماؤل میں تو آپریشن کے تجربہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں حیوانی اجسام میں آپریشن ضرور ہوتا ہے لیکن حیوانی اجسام انسانی اجسام کا ہرگز مقابلہ نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں قسم کے اجسام، ان کے عوارضات، ان کی خصوصیات، ان کا طرز اور انداز آپریشن، ان کا طرز علاج الغرض سب چیزوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے صرف جانوروں پر مشق کر کے آدمی کبھی بھی کسی انسان کے آپریشن میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ”ویزیری ڈاکٹر“، اچھا سر جن بھی ہوتا ہرگائے بھینس کا معانج ہمارا اور آپ کا بھی اچھا معانج ہوتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ محض جانوروں کے علاج کی مہارت حاصل کر کے کسی انسان کے علاج اور اس کے آپریشن کی مہارت حاصل کرنے کا نظریہ بھی نقطہ نظر سے بالکل لا یعنی اور جدید سرجری سے ناقصیت پر مبنی ہے۔ لہذا ثابت ہوا طلباء کے لئے اس قسم کا پوسٹ مارٹم آپریشن کا تجربہ حاصل کرنے اور سینکڑوں جانیں بچانے کے لئے نہایت ضروری ہے اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ لہذا اس اجتماعی اور بڑے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک تحریم میت کے انفرادی فائدہ کو ترک کر دیں گے اور سینکڑوں جانوں کو بچانے اور ان کو صحت یا بکرنے کی خاطر اس پوسٹ مارٹم کی بھی اجازت شرعی طور پر دے دی جائے گی۔

علامہ سعیدی صاحب کا یہ فرمانا کہ ”اس قسم کے پوسٹ مارٹم کے لئے غیر مسلم اموات کو حاصل کرنا چاہیے“ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اول تو تکریم آدمیت کے لحاظ سے مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ چنانچہ اس پر فقہ کا یہ جزئیہ شاہد ہے.....

و شعر الانسان لکرامۃ الا دمی و لو کان کافرا -

”اور انسان کے بالوں کی بیع ناجائز ہے بوجہ آدمی کی عزت اور

کرامت کے اگرچہ کافر ہی ہو۔“

معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ میں آدمی خواہ مسلمان ہو یا کافر ”تکریم آدمیت“ دونوں میں ملحوظ ہو گی اور اس عزت کے باعث دونوں کے بالوں کی نیج ناجائز ہے۔ اسی طرح ایک اور جزئیہ ملاحظہ ہو.....

و ان لم يجده إلا أدمياً محقون الدم لم يبح له قتلهم اجماعاً  
و لا ائتلاف عضو منه مسمى كان أو كافراً لانه مثله فلا  
يجوز أن يبقى نفسه بائلاً فهـ و هـ لا خلاف فيهـ

اور اگر مضطرب نہ پائے مگر ایسا آدمی جس کا خون محفوظ ہو شرعاً (یعنی مسلمان یا ذمی کافر) تو اس مضطرب کے لئے ایسے آدمی کا قتل جائز نہیں ہوگا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ اس آدمی کی زندگی مضطرب کی زندگی کی مثل ہے۔ پس اس کو جائز نہیں کہ اس کو تلف کر کے اپنی زندگی بچائے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آدمی مسلمان ہو یا کافر اسلام کی نظر میں دونوں کی جان قیمتی ہے۔ انسانی تکریم و حرمت کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں جو مسلمان کی جان کا حکم ہو گا وہ ہی کافر کی جان کا حکم ہو گا۔ اگر مسلمان کے جسم کی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے تو اسلام کی نظر میں کافر کے جسم کی بھی ایذاء اور بے حرمتی حرام ہے۔ لہذا عدم القائل بالفصل کی بناء پر جب آپ نے غیر مسلم کی اموات کے پوسٹ مارٹم کی طلباء کو اجازت دے دی تو مسلم اموات کے پوسٹ مارٹم کی اجازت خود بخود ثابت ہو جائے گی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک ایسے ہیں جہاں غیر مسلم اقلیت

میں ہیں اول تو وہاں غیر مسلم اموات ہی بہت کم تعداد میں ہوں گی ان میں سے بھی اہم اور با اثر شخصیات کو ان کے ورثاء طباء کے لئے تختہ مشق بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔ اس طرح سال میں اگر اکادمی کوئی جسم تجربہ کے لئے مل بھی گیا تو کیا وہ تمام ملک کے تمام میڈیکل کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لاکھوں طباء کے لئے کافی ہوگا....؟ کیا پھر ایسے مسلم ممالک میں سر جری کے یہ شعبے قائم رہ سکیں گے....؟ کیا ایسے ممالک میں لوگ اچھے سرجنوں سے محروم نہیں ہو جائیں گے....؟ اور کیا وہاں کے لوگ ماہر سرجن کے نہ ہونے کے باعث اپنے پیچیدہ امراض میں بغیر آپریشن کے تڑپ تڑپ کر جائیں نہیں دیں گے....؟ اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے نہیں....؟ لہذا ماننا پڑے گا کہ ”غیر مسلم اموات“ کی قید لگانا درست نہیں۔ اس عظیم فائدہ کی خاطر مسلم اموات کا بھی پوسٹ مارٹم درست ہوگا۔

### روزہ میں انجکشن

یہ بھی ایک جدید نوعیت کا طبی اور شرعی مسئلہ ہے کہ آیا روزہ کی حالت میں انجکشن لگایا جاسکتا ہے یا نہیں....؟ یا گلوکوز چڑھایا جاسکتا ہے یا نہیں....؟ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں....؟

اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انجکشن خواہ گوشت میں لگایا جائے یا رگ میں لگایا جائے بہر حال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

### دلیل اول

اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں مطلقاً کسی بھی چیز کا بدن میں جانا روزہ کو نہیں توڑتا بلکہ روزہ ٹوٹنے کے لئے یہ شرط ہے کہ ”منفذ یعنی کسی راستہ سے کوئی چیز معدہ یا دماغ تک پہنچائی جائے تب روزہ ٹوٹتا ہے۔“ لہذا اگر کوئی شے بدن کے اندر تو

گئی لیکن معدہ یاد مانع کے اندر نہیں گئی تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا یا معدہ کے اندر بھی چلی گئی لیکن کسی راستہ سے نہیں گئی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔۔۔ دیکھئے یہ شرعی مسئلہ ہے کہ آنکھوں میں سرمدہ لگانے یادوا ڈالنے سے اور سر یا بدن پر تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر چہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو کیونکہ حکماء کے نزدیک آنکھ اور معدہ کے درمیان کوئی "منفذ" یعنی راستہ نہیں ہے۔ یہ اثر مسامات کے ذریعہ حلقہ اور حلق سے معدہ تک پہنچا ہے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا چنانچہ شامی میں صاف فرمایا گیا۔۔۔

أو ادهن او اكتحل او احتجم و ان وجد طمعه في حلقة  
قال في النهر لأن الموجود في حلقة اثر داخل من  
المسام الذي هو خلل البدن والمفطر انما هو الداخلي  
من المنافذ لا لاتفاق على ان من اغتسل في ماء فوجد  
برده في باطنها انه لا يفطر۔

(شامی، ابن عابدین ح ۲۹۵ ص ۳۹۵)

یعنی علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ سرمدہ اور تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر چہ اس کا اثر حلق میں کیوں نہ محسوس ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حلق میں جواہر محسوس ہوا ہے یہ مسامات کے ذریعہ آیا ہے جب کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب کوئی چیز بذریعہ راستہ داخل ہو۔ پھر اس پر دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو کوئی شخص روزہ میں غسل کرے اور پانی کی ٹھنڈک اپنے بدن کے اندر محسوس کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ یہ پانی کا اثر مسامات کے ذریعہ اندر رگیا ہے معفظ اور راستہ کے ذریعہ نہیں گیا۔۔۔ لہذا ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعہ جودہ اندر جاتی ہے اول

تو وہ معدہ میں نہیں پہنچتی اور اگر معدہ میں پہنچتی بھی ہوتا بھی چونکہ کسی راستے کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچ رہی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

### دلیل ثانی:-

اسی طرح کان ناک یا مقعد میں دوا وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے کیوں کہ ان کے اوپر معدہ کے درمیان ایسے راستے موجود ہیں جن سے دوا وغیرہ سیدھی معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب منافذ یعنی راستوں کے ذریعہ کوئی چیز معدہ تک پہنچے جب کہ انجکشن میں ایسی صورت نہیں ہوتی لہذا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

### دلیل ثالث:-

یہ بھی شرعی مسئلہ ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ مرد کے عضو تناسل میں اگر کوئی دوا وغیرہ ڈالی جائے تو امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عورت کے جسم میں ایک منفذ یعنی راستہ معدہ تک موجود ہے جس سے اس دوا وغیرہ کے معدہ تک پہنچنے کا امکان ہے جب کہ مرد کے جسم میں براہ راست کوئی راستہ معدہ تک موجود نہیں ہے بلکہ مثانہ کے راستہ سے مسامات کے ذریعہ معدہ تک راستہ ہے لہذا اس کا اثر اگر معدہ تک پہنچا بھی تو اس سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹے گا کہ وہ دوا وغیرہ معدہ تک کسی راستے سے نہیں پہنچی بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچی ہے۔

## دلیل رابع:-

اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اگر کوئی دوا وغیرہ مثانہ تک پہنچ جائے تو ان کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مثانہ اور معدہ کے درمیان کوئی منفذ اور راستہ نہیں ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ان کے درمیان منفذ اور راستہ موجود ہے لہذا جو دوا مثانہ میں ہوگی وہ امام اعظم کے نزدیک اگرچہ اس کا اثر مسامات کے ذریعہ معدہ تک ضرور پہنچ گا کیوں کہ جب معدہ سے مسامات کے ذریعہ مثانہ میں پیشاب آ سکتا ہے تو مثانہ سے بھی معدہ میں ان ہی مسامات کے ذریعہ دوا وغیرہ کا اثر بھی جا سکتا ہے لیکن چوں کہ کسی منفذ اور راستہ کے ذریعہ وہ اثر نہیں جارہا لہذا یہ مفسد صوم نہیں اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چونکہ مثانہ اور معدہ کے درمیان ایک راستہ موجود ہے لہذا اس راستے سے دوامعدہ تک پہنچ جائے گی لہذا روزہ ٹوٹ جائے گا، چنانچہ ثابت ہوا کہ انجکشن کے ذریعے جو دوا یا گلوکوز وغیرہ بدن میں پہنچایا جاتا ہے وہ چونکہ کسی راستہ کے ذریعہ معدہ تک نہیں پہنچتا اس لئے مفسد صوم نہیں۔ ہدایہ کی عبارت ملا حظہ ہو.....

فَكَانَهُ وَقْعَةً عِنْدَ أَبْنَى يُوسُفَ إِنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَوْفَ مِنْفَذًا  
وَلَهُذَا يَخْرُجُ مِنْهُ الْبُولُ وَوَقْعَةً عِنْدَ أَبْنَى حَنِيفَةَ إِنَّ الْمَثَانَةَ  
بَيْنَهُمَا حَائِلٌ وَالْبُولُ يَتَرَشَّحُ مِنْهُ وَهَذَا لَيْسَ مِنْ بَابِ  
الْفَقْهِ۔

## دلیل خامس:

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں اسی اصول کو بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ تحریر فرمائے اس مسئلہ کو خوب حل فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں ...

و ما وصل الی الجوف او الی الدماغ من المخارق  
الاصلیہ کالانف والاذن والدبر بان استعطا او الحتقن  
او اقتصر فی اذنه فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد  
صومه ----- الی ---- و اما ما وصل الی الجوف او الی  
الدماغ من غير مخارق الا صلیہ بان داوی الجائفہ  
والامة فان دواها بدواء یابس لا یفسد لانه لم یصل الی  
الجوف ولا ال الدماغ ولو علم انه وصل یفسد كما  
قول ابی حنیفة -

(بدائع ج ۲، ص ۹۳)

یعنی ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شے خواہ کسی اصلی راستہ سے یا کسی مصنوعی راستہ سے معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے ناک کا مقدود غیرہ کہ یہ اصلی راستے اور خلامیں ہیں ان میں کوئی چیز ڈالی جائے گی تو وہ معدہ تک پہنچے گی لہذا اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور ایک غیر اصلی راستہ ہے مثلاً سر میں یا معدہ میں کوئی بہت گہرا زخم ہو گیا اور اتنا بڑا سوراخ اور مصنوعی راستہ بن گیا کہ اگر کوئی دوا ڈالیں تو معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ان عادی یا غیر عادی راستوں کے علاوہ مسامات کے ذریعہ اگر کوئی دوا وغیرہ معدہ تک پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے مذکورہ بالا دونوں زخموں کے علاوہ کہیں اور کوئی زخم ہے تو اگر

اس میں دواڑا لئے سے بھی وہ دوام سامت یار گوں کے ذریعہ معدہ تک پہنچ جائے گی لیکن چونکہ کسی راستہ اور خلاء کے ذریعہ براہ راست معدہ تک نہیں پہنچ رہی سامت کے ذریعہ پہنچ رہی ہے لہذا اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

میرے والدگرامی اور مرشد نامی مفتی اعظم پاکستان حضرت شاہ مفتی محمد محمود الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزہ کے متعلق بڑا جامع ضابطہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا.....

”دماغ اور پیٹ میں کوئی شے خواہ عادی را ہوں مثلاً کان، ناک پا خانہ عورت کی شرمنگاہ کی جگہ سے داخل ہو یا کوئی غیر عادی را کھل گئی ہو مثلاً پیٹ کا یاد مانع کا زخم ہوا س راہ سے داخل ہو بس اگر یہ شے مصلح بدن ہے تو خواہ مثل حقہ وغیرہ کے خود روزہ دار نے اپنے فعل سے اندر داخل کیا ہو یا کسی اور نے بہر صورت روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر اندر پہنچنے والی چیز غیر مصلح بدن ہے تو خود روزہ دار کے فعل سے وہ چیز اندر پہنچی ہے تو روزہ جاتا رہے گا اور نہیں مثل تیر اور چھرے وغیرہ سے کہ اگر کسی نے ایسا مارا کہ پیٹ میں غائب ہو گیا تو روزہ نہیں گیا اور خود ایسا کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا..... اگر کسی راہ سے تو بدن یاد مانع میں کوئی چیز نہیں پہنچی مگر سامت کے ذریعہ مثلاً تیل کا اثر یا پانی کی ٹھنڈک اندر پہنچی تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہو گا..... اگر سر یا دوا آنکھ میں ڈالی یا مرد نے اپنے ذکر کے سوراخ میں تیل ڈالا تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہو گا اگر چہ حلق میں مزاد دوا کا محسوس ہو

کیوں کہ یہ اثر مسامات کے ذریعہ پہنچا۔ نیز مثانہ سے جو چیز  
اندر جاتی ہے وہ بھی مسامات سے مترشح ہو کر جاتی ہے لہذا یہاں  
بھی روزہ فاسد نہیں ہوا..... انگلشن سے براہ راست معدہ یا  
دماغ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی لہذا امفسد صوم نہیں یہ توفیقی ہے اور  
تفویضی ہے کہ پرہیز کروتا کہ روزہ کا مقصد فوت نہ ہو.....  
(رکن دین حصہ کتاب الصیام، مفتی محمد محمود الوری) ص

(۷۵/۳)

### الکحل والی دوائیں:

الکحل، اسپرٹ، میتھول وغیرہ کے متعلق میرے جدا مجد (نانا) بر صغیر پاک و ہند  
کے مفتی اعظم حضرت قبلہ شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آج سے  
تقریباً سانچھ ستر سال قبل بڑی نقیض تحقیق فرمائے جامع مسجد فتح پوری دہلی سے ایک  
فتاویٰ جاری فرمایا تھا جو آج بھی ہمارے لئے بہترین مینارہ نور ہے اور الکحل و اسپرٹ  
وغیرہ جن کا اس زمانہ میں اس قدر کثرت سے استعمال ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل  
ہو گیا ہے اس کا بہترین حل پیش فرمایا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ کوئی روغن ہو، کوئی  
انگریزی دوا ہو، کوئی روشنائی ہو، کوئی پرفیوم یا عطر ہو، کپڑوں کے رنگ ہوں یا ڈینوں  
اور فنائل جیسے گھر میں روزمرہ صفائی اور سخراں کے لئے استعمال میں آنے والی چیزیں  
ہوں، گلے کو صاف کرنے والی گولیاں ہوں یا نزلہ اور زکام جیسے امراض کے لئے  
معمولی سی دوائیں ہوں الغرض الکحل اسپرٹ وغیرہ ہر جگہ آپ کو نظر آئے گی ایسی  
کثرت استعمال چیز کا حضرت قبلہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑا بہترین حل  
پیش فرمائے مسلمانوں کے لئے بڑی آسانی اور سہولت پیدا فرمادی ہے۔

آپکی تحقیق کا نجوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ شراب کی بہت سی اقسام ہیں لیکن جو بالا جماع حرام ہے اور جس شراب کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس شراب کو شریعت میں ”خمر“ کہتے ہیں اور خمر کی تعریف یہ ہے کہ.....

الْخَمْرُ وَهِيَ النَّىٰ مِنْ مَاءِ الْغَبِ إِذَا أَغْلَىٰ وَأَشْتَدَ وَقْدَفَ  
بِالْزَبْدِ وَحِرْمَ قَلِيلَهَا وَكَثِيرَهَا لِعِينَهَا وَهِيَ نَجَاسَةٌ  
مَغْلَظَةٌ كَالْبَولِ وَحِرْمَ الْأَنْتِفَاعِ بِهَا وَلَا يَحْوَرُ بِيعْهَا وَلَا  
يَحْوَرُ بِهَا التَّدَاوِي --- اِنْتَهَا مَلْتَقِطَاً

یعنی خمر اس کے کچھ شیرہ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کرنے کے لئے آیا ہو۔ پس یہ وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور یہ نجاست غلیظ ہے یہ تھوڑی ہو یا زیادہ اس کے ایک قطرہ کا بھی نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع و شراء جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے۔ کسی دوامیں بھی اس کو سوائے اضطرار کے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ جو دوسری شرابیں ہیں ان کے حکم مختلف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے.....

بازق.... شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے اور شیرہ پک کر مٹھ سے زائد رہے اور پھر جوش مار کرنے کے لئے تو ایسی شراب کو بازق کہتے ہیں۔

منصف.... اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب کو منصف کہتے ہیں۔

نقیع زبیب.... اگر پانی میں منقی بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کرنے کے لئے آئے تو اس کو نقیع زبیب کہتے ہیں۔

سکر.... اگر پانی میں چھوارے بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کرنے کے لئے آئے تو اس کو سکر کہتے ہیں۔

ان چاروں شرابوں کا حکم یہ ہے کہ یہ قلیل تعداد میں ہو یا کثیر تعداد میں ہر حال

میں حرام ہے البتہ ان کی نجاست کے بارے میں اختلاف ہے یعنی روایات سے اس کا نجاست غلیظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے نجاست خفیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح انکے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر تھوڑا سا جوش دے لیا جائے تو دوا وغیرہ کے لئے اس مقدار تک ان کا پینا حلال ہے جس میں یہ نہ پیدا نہ کرے، چنانچہ درمختار میں ہے.....

نبیذ التمر و الزبیب ان طبخ ادنیٰ صبحہ یحال شربہ و اذ  
اشتد و هذا اذا شرب منه بلا فهو و ضرب فلو شرب  
لل فهو و ضرب فقليله و كثيره حرام۔  
کھجور اور منقی کی شراب کو اگر تھوڑا سا پکالیا جائے تو اس کا پینا حلال ہے اگرچہ وہ گاڑھا ہو جائے اور حلت اس صورت میں ہے جب کہ وہ اس کو لہو لعب اور محض عيش و عشرت کے لئے نہ پیئے ورنہ اس وقت اس کا زیادہ اور تھوڑا دونوں طرح حرام ہے۔

ان پانچ شرابوں کے علاوہ شہد، انجیر، گیہوں، جو، گنا، چند رالف الغرض کسی بھی چیز یا فارمولے سے جو شراب بنائی جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو کسی غرض صالح یعنی دوا وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں جس میں وہ نہ نہ لائے اس کا استعمال جائز ہو گا۔ چنانچہ ہدا یہ عالمگیری اور درمختار میں ہے....

نبیذ العسل والتین والبر والشعير والذرة یحال سواء طبخ او لا بلا فهو و ضرب  
ترجمہ:- شہد، انجیر، گیہوں، جو اور مکنی کی شراب حلال ہے خواہ

اس کو پکایا جائے یا نہیں بشرطیکہ کھیل کو دا اور عیش و عشرت کے لئے نہ ہو۔

ان کی یہ حلت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق ہے جب کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک روایت مذہب شیخین کے موافق موجود ہے کما صرح بھائی العالمگیریہ و فتح القدیر و غیرہما البستہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان شرابوں کی قلیل اور کثیر تعداد دونوں حرام ہیں اور چونکہ فاسق و فاجر لوگوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور اس سے ان کا مقصد سکر اور نشرہ حاصل کرنا تھا اس لئے علماء نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر فتویٰ دے دیا کہ ان کا استعمال قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے۔ چنانچہ یعنی میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا.....

الفتویٰ فی زماننا بقولِ محمد رحمته اللہ تعالیٰ لغبة

الفساد۔

ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے بوجہ غلبہ فساد کے۔

”لغبہ الفساد“ کی علت سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس ممانعت کی وجہ ”فتق و فجور“ کا سد باب کرنا مقصود ہے کہ لوگ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر نشرہ کے لئے عام طور پر شراب پیانا شروع کر دیں لہذا جہاں یہ علت نہ ہو اور واقعی کوئی ضرورت ہو مثلاً دوا وغیرہ کے لئے وہاں یقیناً اس کا اتنی قلیل مقدار میں استعمال کہ سکر اور نشرہ پیدا نہ کرے یقیناً جائز ہوگا کہ اس صورت میں اس کی علت پر امام اعظم، امام ابو یوسف اور ایک اصح روایت کے مطابق امام محمد تینوں متفق ہیں۔

اس تمهید کے بعد آئے اب دیکھتے ہیں کہ الکھل یا مینتحل وغیرہ ملی ہوئی دواؤں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے.....؟

میں نے آج کے ماہر اور تاجر بہ کارڈ اکٹروں اور انگریزی دوا ساز کمپنیوں کے مالکان سے جب الکھل وغیرہ کے متعلق تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ الکھل عام طور پر گنے اور چندروں وغیرہ سے بنائی جاتی ہے یا مصنوعی طریقہ سے دو فارمولوں کو ملا کر بنائی جاتی ہے۔ لہذا اس کا حکم وہ ہی ہو گا جو چندروں وغیرہ کی شرابوں کا حکم ابھی تفصیل سے گزار کے بطور دوا اتنی مقدار میں اس کا استعمال جائز ہو گا کہ جس میں یہ نشرہ نہ لائے جب کہ عام طور پر انگریزی دوا میں اتنی ہی مقدار میں ڈالی جاتی ہے جب کہ دوا کو خوراک بھی ایک یا دو چچہ ہوتی ہے جن سے سکر پیدا نہیں ہوتا لہذا اس کا بطور دوا استعمال جائز ہو گا۔

اور اگر بالفرض الکھل انگور کھجور منقا وغیرہ کے شیرہ سے بھی بنتی ہوتی بھی چونکہ اس کو جوش دے لیا جاتا ہے لہذا بطور دوا اس کا قلیل استعمال بھی جائز ہو گا جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں گزری۔

حضرت مفتی اعظم شاہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس تحقیق کو اپنے الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں.....

”لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنائے ہے یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جو ہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے یہی

حکم اس تقدیر پر ہے جن پر بازق یا منصف یا نقیع زبیب و تمر سے  
بنائی گئی ہواں لئے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے۔ لہذا عامہ  
علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں ہے کما صحت من  
قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا  
نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ معلوم نہیں  
کہ کون یہ شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے۔

القوله عليه السلام اذا كان احدكم فى الصلوة فوجد  
حركة في دبره احدث او لم يحدث فاشكرا فلا ينصرف  
حتى يسمع صوتا او يجد ريحارواه ابو داؤد وقال  
الفقهاء ان اليقين لا يزول بالشك والا صل فى الاشياء  
الحال والظهورة۔

(فتاویٰ مظہری، مرتب ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۹۰)

-----

گناہ گارا اور  
رحمت پروردگار

درس حدیث

درس قرآن

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

تعصیات  
ضیائے  
معصوم

بزم جانان

سدھ کے  
صوفیاء  
نقشبند

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

داراً ہی کا  
شرعی حکم

فوٹو اور ویدیو  
کا شرعی حکم

جدید طبع  
مسائل کا  
شرعی حل

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

اسبال

برنہ کنٹرول

لاڑڈ اسپیکر  
کا شرعی حکم

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

ابو حیان کا مشنونہ

فضائل مسائل

رکن دین

مفترت ذنب

شیخ عبدالحق محمد شدھلوی

حضرت مولانا نجم الدین

ابو حیان کا مشنونہ

مشکلہ کا پیر مکتبہ جمالِ کرم 9. مرکز الوبیں، دربارِ مارکیٹ لاہور